# ۱۹۵۳ء



## ناقابلِ فراموش مشاہدات

مصنف

مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ

مرتب

محمد شاہد حنیف

# تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

## ناقابلِ فراموش مشاہدات

مصنف

مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ



مرتب: محمد شاہد حنیف

ختم نبوت پبلی کیشنز، لاہور

**ضابطہ:**

کتاب: تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

مصنف: مولانا مجاہد الحسینی

مرتب: محمد شاہد حنیف-0333-4128743

ناشر: ختم نبوت پبلی کیشنز، لاہور

اشاعت: ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، جنوری ۲۰۱۳ء

قیمت: ۱۰۰ روپے

**ملنے کے پتے:**

☆ کتاب سرائے، اردو بازار لاہور

☆ فضلی سنز، اردو بازار کراچی

☆ مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار، راولپنڈی

تحفظ ختم نبوت پر اپنی زندگیاں نچھاور کرنے والے

علماءِ کرام، کارکنان، شہیدانِ ختم نبوت

کے نام

# ترتیب

| | | |
|---|---|---|
| حرفِ مرتب | محمد شاہد حنیف | ۷ |
| مقدمہ از مولانا مجاہد الحسینی | | ۸ |
| ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت | | ۱۱ |
| چند ناقابلِ فراموش یادیں | | ۱۱ |
| لاہور سینٹرل جیل میں | | ۱۵ |
| لاہور سینٹرل جیل کا ایک رقت انگیز منظر | | ۱۶ |
| امیرِ شریعت کے سامنے شہید ختمِ نبوت کا تذکرہ | | ۱۷ |
| پہلی تحریکِ ختمِ نبوت اور منیر انکوائری کمیٹی کی رپورٹ | | ۱۸ |
| قادیانی سربراہ کی دھمکی | | ۱۹ |
| تحریکِ ختمِ نبوت کی ہمہ گیر مقبولیت | | ۲۲ |
| مرزا قادیانی کا خبثِ باطن | | ۲۲ |
| تعارفِ شخصیات | | ۲۳ |
| مختلف مکاتبِ فکر اور مسالک کی عظیم شخصیات | | ۲۵ |
| مولانا عبدالحامد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ | | ۲۵ |
| مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ | | ۲۵ |
| عظمتِ امیرِ شریعت | | ۲۷ |
| امیرِ شریعت، مولانا ابوالحسنات کی نظر میں | | ۲۸ |
| ایک یادگار تقریب | | ۲۸ |
| ماسٹر تاج الدین انصاریؒ | | ۳۰ |
| شیخ حسام الدینؒ | | ۳۰ |
| احاطۂ دیوانی میں | | ۳۲ |
| شیخ صاحب کے گھر شعراء کی محفل | | ۳۳ |

| | |
|---|---|
| شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، جیل میں تشریف آوری | ۳۴ |
| مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری | ۳۸ |
| مولانا ابوالکلام آزاد پر جھوٹا الزام اور اس کی تردید | ۳۹ |
| کوتاہی کا ازالہ | ۴۱ |
| ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء: منکرین ختمِ نبوت کو غیر مسلم قرار دینے کا تاریخی دن | ۴۳ |
| تحریکِ قیام پاکستان اور قادیان کو بھارت میں رکھنے کا مقصد | ۴۵ |
| جیل میں کھیل | ۴۹ |
| سیاست خانے کی تلخیاں | ۵۴ |
| مولانا لال حسین اختر کی داستانِ ترکِ مرزائیت | ۶۱ |
| بحیثیتِ مبلغ تقرری | ۶۴ |
| مولانا محمد حیات، فاتح قادیان | ۶۸ |
| ختمِ نبوت کانفرنس، قادیان | ۷۰ |
| مولانا محمد حیات سے شرف ملاقات | ۷۱ |
| قادیان کا دلچسپ سفر | ۷۲ |
| قائدینِ تحریک سے حسین شہید سہروردی کی ملاقاتیں | ۷۵ |
| قادیانیت پر سہروردی کا نوٹ | ۷۷ |
| قائدینِ تحریک سے سہروردی کی ملاقات | ۷۸ |
| امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مکتوب گرامی | ۸۰ |
| مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ | ۸۱ |
| مسلمان کی تعریف، علمی شخصیات کی نظر میں | ۸۳ |
| شاعرِ مشرق کے ہاں مسلمان کا مفہوم | ۸۶ |
| مسجدِ قبا | ۸۸ |
| قادیانیوں کے کلمے اور نمازوں کی حقیقت | ۹۰ |
| مرزا قادیانی کا مفہومِ ختمِ نبوت | ۹۲ |
| نبوت کی تبدیلی کے ساتھ قومیت کی تبدیلی | ۹۳ |
| احمدی کی اصطلاح | ۹۴ |

# حرفِ مرتب

بقیۃ السلف مولانا مجاہد الحسینی دامت برکاتہم کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ معروف علمی وادبی شخصیت ہیں اوران گنے چنے حضرات میں سے ایک ہیں جو گزشتہ پچاس ساٹھ سالہ تاریخ کے عینی شاہد ہیں۔ آپ ۴۵۔۱۹۴۴ء میں دار العلوم ڈابھیل انڈیا سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شمس الحق افغانی اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہم کی شاگردی کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ مجلس احرارِ اسلام سے وابستہ رہے، کئی تحریکوں میں مرکزی قائدین کے ساتھ بنفسِ نفیس سرگرم حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔ آپ تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران مجلس احرارِ اسلام کے ترجمان روزنامہ ''آزاد'' اور ۱۹۵۶ء میں روزنامہ ''نوائے پاکستان'' ہفت روزہ ''ساربان'' اور بعد میں ہفت روزہ ''خدام الدین'' اور ماہنامہ ''صوت الاسلام'' کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی کتاب سیرت وسفارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ۱۹۹۵ء میں مقابلہ کتبِ سیرت میں اوّل صدارتی ایوارڈ ملا۔ آپ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے بانی رُکن اور مجلس کے قیام ۱۹۵۴ء میں پہلے سیکرٹری نشر واشاعت مقرر ہوئے۔ آج کل ان کی تحریریں روزنامہ پاکستان، روزنامہ اسلام اور ضربِ مومن کے صفحات کو زینت بخشتی رہتی ہیں۔ اس اَمر کی شدت سے ضرورت ہے کہ مولانا کے مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں سامنے لایا جائے تاکہ اہلِ علم وتحقیق اِس علمی سرمایہ سے کماحقہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

مولانا مجاہد الحسینی نے اکثر اکابر کی خدمت وصحبت میں وقت گزارا ہے بلکہ ہمارے بہت سے اکابر ان کے معاصر تھے۔ حضرت نے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف و بیماری کے باوجود قلم وقرطاس سے رشتہ قائم رکھا ہے اور آج عمر کی نوے کی دہائی میں بھی وہ تحقیقی وتصنیفی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کام، عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔ [آمین]

محمد شاہد حنیف

# مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت اور ادیانِ عالم پر غالب کرنے کا قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب کبھی اللہ کے گھر (بیت اللہ شریف) کو مسمار کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ابابیل پرندوں کے جھنڈ سے اس دور میں سپر پاور ہونے کے دعویدار ابرہہ کا لشکر کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا تھا، بعد ازاں جب کبھی حضور محسنِ انسانیت خاتم الانبیا ﷺ کی ذاتِ اقدس، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین اور فقہاء وعلماءِ اُمت پر نازک مرحلہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ حالات کے مشاہدے کے بعد آخر کار فتح ونصرت اللہ کے دین اور اسلامی عقائد ونظریات کو حاصل ہوئی ہے اور فرمانِ الٰہی لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ [التوبۃ:۳۲] کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے۔

چنانچہ اسی تناظر میں ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کا جائزہ لیجیے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ تحریک، پاکستان کی سب سے پہلی اور بڑی تحریک تھی جس کا مقصد اسلام کے نام پر حاصل کی گئی مملکت پاکستان کا نظری وفکری رُخ متعین کرنا تھا، اس تحریک کو ناکام بنانے کے لیے جہاں فرنگی سامراج کی تربیت یافتہ انتظامیہ نے طاقت اور تشدد کے حربے استعمال کیے، وہاں اپنے گماشتوں کے ذریعہ اور کئی ناگفتہ بہ طریقے استعمال کر کے ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدس پامال کرنے کی سعیِ مذموم کی گئی تھی لیکن اس کے باوجود بعد ازاں ۱۹۷۴ء میں تحریک تحفظِ ختمِ نبوت کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور یہ سعادت خادم الحرمین الشریفین شاہ فیصل شہید اور سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے حصے میں آئی تھی۔

۱۹۵۳ء کی اس تاریخ ساز تحریک کے صحیح اور مشاہداتی خدوخال زیور اشاعت سے آراستہ نہیں ہوئے تھے، اس کے لیے راقم الحروف نے تب مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے مرکزی اور بااختیار رہنماؤں میں سے مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (ناظم اعلیٰ مجلسِ تحفظ ختم نبوت)

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

اور بعد ازاں موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر مختلف مرکزی شخصیات کی خدمت میں اس تحریک کی بابت صحیح معلومات پر مشتمل کتاب شائع کرنے اور تحریک میں عملاً حصہ لے کر اس کا مشاہدہ کرنے والے افراد کی کمیٹی مقرر کرنے کی درخواست کی۔ مجلس احرارِ اسلام اور تحریکِ ختمِ نبوت کے ترجمان روزنامہ نوائے پاکستان لاہور میں اس بابت اشتہارات کی بھی اشاعت کروائی گئی کہ جن حضرات نے اس تحریک میں حصہ لیا اور جو حضرات اس دوران شہادت سے سرفراز ہوئے ہیں اس سلسلے کی اہم معلومات جمع کی جائیں۔ مگر افسوس کہ اربابِ اختیار کی دیگر مصروفیات کے باعث یہ پہلو تشنۂ وضاحت رہ گیا۔ تا آنکہ تقریباً چالیس سال بعد پاکستان کے کثیر الاشاعت دینی ہفت روزہ ضربِ مومن کراچی کے اہلِ علم وقلم اور اصحابِ فراست وبصیرت کو اللہ نے یہ توفیق اور سعادت عطا فرمائی کہ انھوں نے راقم الحروف سے باصرار ۱۹۵۳ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کے مشاہدات و واقعات قلم بند کرائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ان حضرات کی نگاہِ کرم سے راقم الحروف نے تحریک کی بابت ضروری معلومات پیش کر دی ہیں، یہ حرفِ آخر ہرگز نہیں ہیں، خوفِ طوالت سے کئی باتیں رہ گئی ہیں۔ تحریک کی بابت جن لوگوں نے اعتراضات کیے اور جو آج بھی پروپیگنڈا کر کے لوگوں کے دل و دماغ میں شکوک وشبہات ثبت کرنے کی سعیِ مذموم کر رہے ہیں ان کا مسکت جواب دینے کے لیے اب بھی ایک کمیٹی کا قیام اور نشر واشاعت کے مستقل ادارے کی ضرورت ہے جو عصرِ حاضر کے تقاضے کی تکمیل کرتے ہوئے معترضین کا صحیح جواب دے سکے اور آئندہ نسل کے لیے تاریخی حقائق محفوظ ہو سکیں۔

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کی بابت مولانا مودودی نے تحریری صورت میں اعتراضات کیے اور قائدینِ تحریک کے اقدامات پر تنقید کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ:

۱۔ ''۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت دراصل دستورِ اسلامی کے خلاف ایک سازش تھی''

[ہفت روزہ ایشیا، ۶ رتمبر ۱۹۷۰]

۲۔ ''جماعتِ اسلامی تحریکِ ختمِ نبوت میں شامل نہیں تھی، ہماری جماعت کے صرف دو آدمیوں نے اس میں حصہ لیا تھا جنھیں میں نے اسی وقت جماعتِ اسلامی سے خارج کر دیا تھا۔ [قادیانی مسئلہ، مولانا مودودی، ص ۱۶۵-۱۶۴]

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے علاوہ جن حضرات، جماعتوں اور صحافیوں نے تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کی بابت جو اعتراضات کیے ہیں، ان سب کا مدلل جواب دینا ایک اخلاقی ذمہ داری ہے۔ قارئینِ کرام کی دُعاؤں سے ان شاء اللہ راقم الحروف حتی المقدور اس سلسلے کی مفصل معلومات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، مجھے توقع ہے کہ آپ حضرات کی دُعاؤں سے اس اہم عصری تقاضے اور ملّی ضرورت کی تکمیل کی بھرپور کوشش کی جائے گی، نیز قارئین کی خدمت میں بھی عرض ہے کہ وہ اپنی قیمتی آرا اور مشوروں سے نوازیں۔ تاکہ اس تاریخی دستاویز کا کوئی پہلو تشنہ دکھائی نہ دے اور اگر کوئی غلطی یا کوتاہی محسوس کریں تو اس کی نشان دہی کی جائے تاکہ آئندہ اصلاح کی جا سکے۔ وَ مَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ؀

علاوہ ازیں مجھے عزیزم محمد شاہد حنیف صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جن کی محنت اور کاوش سے تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کی بابت ضربِ مومن میں مطبوعہ بالاقساط مضامین پر مشتمل یہ کتاب مزید اضافوں اور نئی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے اور بعض غیر ضروری باتیں حذف کر دی گئی ہیں، یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ محمد شاہد حنیف صاحب رسائل و جرائد اور کتب کی اشاریہ سازی کے سلسلہ میں نہایت تندہی اور جانفشانی سے کام کر رہے ہیں اور اس وقت بہت سے دینی، علمی و اَدبی رسائل کے اشاریے مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر کتابیات بھی مرتب کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کام میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

خاکپائے اسلاف: (مولانا) مجاہد الحسینی
یکم صفر ۱۴۲۳ھ

# ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت

## چند ناقابلِ فراموش یادیں:

اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ۱۹۴۷ء میں ان کی جاں گداز قربانیوں، قید و بند اور دار و رسن کے ہول ناک مرحلوں میں ان کی ثابت قدمی اور استقامت کے صلے میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت پاکستان قائم ہوئی۔ اس کے ابتدائی برسوں میں قرار داد مقاصد منظور ہوئی۔ بعدازاں بنیادی اُصولوں کی کمیٹی کی وساطت سے صرف یہ سفارش کرائی گئی تھی کہ اس مملکت کا سربراہ مسلمان ہوگا۔ چونکہ ان دنوں مسلم لیگ قادیانیوں کو مسلمانوں کے زمرے میں شمار کرتی تھی اور بہت سے قادیانی پاکستان کے کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ جن میں سر ظفر اللہ خاں وزیرِ خارجہ، ایم ایم احمد سیکرٹری پنجاب، اسی طرح فوج کے بڑے بڑے عہدے قادیانیوں کے قبضے میں تھے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں پاکستانی علمائے کرام اور دینی جماعتوں کے ممتاز رہنماؤں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ B.P.C. کمیٹی (بنیادی اُصولوں کی کمیٹی) کی رپورٹ اور سفارش کے مطابق کوئی بھی قادیانی پاکستان کے سربراہِ مملکت کے عہدے پر متمکن ہوسکتا ہے۔

چنانچہ مختلف مکاتب و مسالک کے علما و مشائخ اور دینی جماعتوں کے نمایندوں نے اربابِ حکومت کے سامنے علامہ اقبال کا موقف اور مطالبہ پیش کیا کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیں اور اسلامی مملکت پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے عہدہ سے قادیانی وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ خاں کو اس لیے فوراً الگ کر دیں کہ اس نے بانیِ پاکستان کے جنازے میں شریک ہونے کے باوجود نمازِ جنازہ اس لیے نہیں پڑھی تھی کہ وہ بانیِ پاکستان کو مسلمان نہیں سمجھتا تھا اور ثانیاً یہ کہ ظفر اللہ خاں پاکستانی وزارتِ خارجہ کی پالیسیوں کی تکمیل کی بجائے قادیانیت کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم ہے اور بقول جناب حمید نظامی ''سر ظفر اللہ خاں نے بیرونی ممالک میں پاکستانی سفارت خانے قادیانیت کی تبلیغ کے مراکز بنا دیے ہیں۔''

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

ان دو اہم مطالبات کو تسلیم کرانے کے لیے پورے ملک میں زبردست تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی اور کوئی فرزند اسلام ایسا نہ تھا جس نے اس تحریک میں حصہ نہ لیا ہو، حتیٰ کہ جو کوئی سیاسی یا مذہبی جماعت اس تحریک کے طریق کار کے ساتھ اختلاف رکھتی تھی وہ بھی تحریک کی عوامی مقبولیت کے پیشِ نظر ساتھ دینے پر مجبور تھی۔ چونکہ تمام مسالک کے علاوہ خود برسرِ اقتدار مسلم لیگ کے باحمیت وغیرت مند مسلم اراکین اسمبلی مولانا عبدالستار خاں نیازی، قاضی مرید احمد (رحمۃ اللہ علیہم) سرگودھا اور میاں منظور حسین گوجرانوالہ اور دوسرے عام کارکن بھی اس تحریک کو کامیاب کرانے کے لیے سرگرمِ عمل تھے۔ اس لیے بہت جلد اور پورے ملک میں کامیابی کے ساتھ ہمہ گیر شکل اختیار کر گئی۔ حکومت نے مطالبات تسلیم کرنے کی بجائے وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جیل خانے پُر ہونے لگے اور جگہ جگہ مظاہرے شروع ہو گئے۔ چونکہ یہ فتنہ پنجاب کی سرزمین قادیان سے نمودار ہوا تھا اور انگریز حکومت نے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اسے کاشت کیا تھا اس لیے اس کے خلاف زیادہ تلخ فضا پنجاب ہی میں تھی۔ نیز قادیانیوں کی سازشوں کا مرکز بھی ''ربوہ'' پنجاب ہی میں واقع تھا اور اس مقام سے قادیانیوں کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے سرکاری افسروں اور مریدوں کو یہ دھمکی آمیز ہدایت نامہ جاری کیا تھا:

''۱۹۵۲ء نہ گزرنے دیجیے اور ایسے حالات پیدا کر دیجیے کہ دشمن تنگ آ کر احمدیت کی آغوش میں آنے پر مجبور ہو جائیں۔''

اس دھمکی کے علاوہ بھی قادیانیوں کے سربراہ نے ایک تو بلوچستان کو مکمل ''قادیانی سٹیٹ'' بنانے اور دوسری یہ کہ جماعتِ احمدیہ کے افراد کو فوج کی بجائے دوسرے محکموں پر قبضہ کرنے کی ہدایات جاری کی تھیں۔ ان خطرناک دھمکیوں اور زہریلی ہدایات نے مسلمانوں کے جذبات سخت مشتعل کر دیے تھے۔ ہزاروں لاکھوں جاں نثارانِ عقیدۂ ختمِ نبوت و ناموسِ رسالت مطالبات منوانے کے لیے کفن بردوش نکل آئے تھے۔ پنجاب کے تمام بڑے بڑے شہروں میں زبردست مظاہرے جاری تھے کہ ملتان کی مسجد پھول ہٹ کے باہر نمازیوں پر بلا اشتعال تھانہ کُپ کی پولیس نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کئی نمازی خاک وخون میں

نہا گئے۔ اس سانحہ کے خلاف ملتان میں زبردست ہڑتال ہوئی، احتجاجی اجتماعات منعقد ہوئے اور آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلسِ عمل کے صدر مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور کی قیادت میں وفد نے ملتان کا دورہ کر کے صورتِ حال قابو میں رکھنے کی تدابیر اختیار کیں۔ اس وفد میں مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے صدر ماسٹر تاج الدین انصاری اور مظفر علی شمسی بھی شریک تھے۔ ملتان میں رُونما اس حادثے سے متاثر ہوکر نامور درویش شاعر ساغر صدیقی نے ''ملتان کے شہیدو! ملتان کے ستارو!'' کے زیرِ عنوان ایک ایمان افروز نظم بھی لکھی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں:



## ملتان پوچھتا ہے

(بیاد: شہداء تحریک ختم نبوت مئی ۱۹۵۳ء)

ساغر صدیقی مرحوم

ملتان کے شہیدو! ملتان کے ستارو!<br>
ملتان کی تمنا<br>
ملتان تم پہ نازاں<br>
ملتان کا تقاضا<br>
ملتان تم پہ قرباں<br>
انصاف شہریارو<br>
ملتان کی حیا تم<br>
انصاف شہریارو<br>
مسرور ہوگئی ہیں ملتان کی فضائیں<br>
بیٹے کہاں ہیں میرے ملتان پوچھتا ہے<br>
پرنور ہوگئی ہیں ملتان کی فضائیں<br>
کیوں چھا گئے اندھیرے ملتان پوچھتا ہے<br>
ملتان مسکرایا<br>
ملتان کو بتاؤ!<br>
ملتان جگمگایا<br>
ملتان کو دکھاؤ!<br>
ملتان جھومتا ہے<br>
ملتان کی جوانی<br>
ملتان چومتا ہے<br>
ملتان کی نشانی<br>
نقشِ قدم تمہارے ملتان کے دلارو!<br>
ملتان لٹ گیا ہے ملتان کے نظارو<br>
ملتان کے شہیدو، ملتان کے ستارو!<br>
ملتان کے شہیدو، ملتان کے ستارو<br>
ملتان کی بہاریں<br>
ملتان کی نظر سے<br>
خاموش ریگزاریں<br>
ملتان کے جگر سے<br>
تم کو بھلائیں کیسے!<br>
صدیوں لہو بہے گا

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

دل کو منائیں کیسے! | تازہ یہ غم رہے گا
ملتان ہنس رہا ہے، ملتان رو رہا ہے | اک داستاں رہے گی ملتان کے لبوں پر
پھولوں میں جیسے کوئی کانٹے چبھو رہا ہے | انسانیت کے نغمے، انسان کے لبوں پر
ملتان کی دعائیں | سو سو سلام تم پر
ملتان کی صدائیں | دوزخ حرام تم پر
کہتی ہیں یہ فسانہ | تم نے اٹھا لیا ہے
سن لے جسے زمانہ | تم نے بچا لیا ہے
ٹوٹے گا دشت ظالم، ملتان کے سہارو | بطحا کا سبز پرچم ملتان کے نگارو!
ملتان کے شہیدو، ملتان کے ستارو | ملتان کے شہیدو، ملتان کے ستارو!

۱۹۵۳ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت جب خاصی ہمہ گیر ہو گئی اور ۲۸ رفروری ۱۹۵۳ء کو سب سے پہلے تحریک کے دو ترجمان مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا روزنامہ زمیندار لاہور اور امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ سرپرستی اور راقم الحروف کی زیرِ ادارت اشاعت پذیر مجلس احرارِ اسلام کے ترجمان اخبار روزنامہ آزاد لاہور کو حکومت پنجاب نے سیفٹی ایکٹ کے تحت جبراً بند کر دیا اور رات دو بجے کے بعد رشید الدین خاں ڈی ایس پی لاہور اور شیخ ابرار احمد انسپکٹر پولیس لاہور کی زیرِ قیادت پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ مجھے گرفتار کرنے دفتر روزنامہ آزاد لاہور میں آ گئے۔ نیز اُنھوں نے دریافت کیا کہ مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالستار خاں نیازی کہاں ہیں؟ مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی رہائش گاہیں تبدیل کر چکے تھے۔ میں نے انھیں ان کی سابقہ رہائش گاہوں کا پتہ بتایا۔ وہ انھیں گرفتار کرنے چلے گئے اور مجھے واپسی پر گرفتار کرنے کا کہہ گئے تھے۔ اس لیے میں نے مظفر گڑھ اپنی جائے سکونت کا سفر اختیار کر لیا تھا اور اہلِ خانہ کو وہاں چھوڑ کر اسی رات کو میں نے جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری کے ہمراہ لاہور واپسی کا پروگرام بنا لیا۔ چنانچہ لاہور میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے ہاں مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا سیّد ابوذر بخاری اور راقم الحروف ہم تینوں ۵ ر مارچ ۱۹۵۳ء تک قیام پذیر رہے اور تحریک کو کامیاب بنانے کے طریق کار پر عمل پیرا رہے کہ ۶ ر مارچ کو لاہور میں جنرل اعظم خاں کی نگرانی میں

مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔

مارشل لا کے باوجود تحریکِ ختمِ نبوت روز افزوں شدت اختیار کر رہی تھی۔ اسی اثنا میں چوک دہلی دروازہ میں ایک پُر امن احتجاجی اجتماع پر پولیس نے گولی چلا کر بہت سے عشاقِ ناموسِ رسالت کو شہید کر دیا۔ اس چوک کا نام انھی شہدائے ختمِ نبوت کے نام پر "چوکِ شہیداں" رکھا گیا اور وہاں پر ان دنوں عظیم الشان مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔

## سینٹرل جیل، لاہور میں:

لاہور میں تحریک کا دوسرا مرکز چوک دالگراں برانڈرتھ روڈ تھا۔ وہاں کی دالگراں مسجد سے روزانہ جلوس نکلتے تھے۔ ایک دن ڈی ایس پی فردوس شاہ نے ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانے والے ایک معمر کارکن کو پکڑ کر زدوکوب کیا اور اسے گندی نالی میں پھینک کر جوتے کی نوک سے ٹھڈا مارا۔ اتفاقاً وہ ٹھڈا اس کی گردن میں آویزاں قرآن شریف کو لگ گیا جس کی پاداش میں ایک مشتعل کارکن نے اسے مسجد وزیر خاں میں جا کر قتل کر دیا تھا۔

نتیجتاً حکومت کے ناروا رویہ سے تحریک میں اشتعال کے عناصر غالب ہوتے گئے۔ اس پر لاہور کے تمام نمایاں مذہبی افراد یکے بعد دیگرے گرفتار کر لیے گئے تھے۔ حتیٰ کہ چند روز بعد شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، مولانا غلام محمد ترنم (خطیب جامع مسجد سیکرٹریٹ لاہور) مولانا غلام دین (خطیب جامع مسجد ریلوے ورکشاپ) مولانا منظور احمد (خطیب جامع مسجد عیدگاہ لاہور چھاؤنی) رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر حضرات بھی پس دیوار زنداں کر دیے گئے تھے اور پنجاب کا کوئی شہر کوئی قصبہ حتیٰ کہ کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جس کے باشندے تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں گرفتار نہ کیے گئے ہوں۔

کراچی میں ۲۸/۱۹۵۳ء فروری کو تمام مرکزی رہنما مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صدر مجلسِ عمل، امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالحامد بدایونی صدر وبانی جمعیۃ علمائے پاکستان، ماسٹر تاج الدین انصاری صدر مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان، مولانا لال حسین اختر، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن سجادہ نشین آلومہار شریف رحمۃ اللہ علیہم اور کراچی میں مقیم تحریک کے دیگر رہنما بھی گرفتار کر کے پہلے کراچی سینٹرل جیل پھر سکھر اور بعد ازاں لاہور کی سینٹرل جیل منتقل

کر دیے گئے تھے۔ یاد رہے لاہور کہ سینٹرل جیل اس جگہ واقع تھی۔ جہاں پر ان دنوں شادمان کالونی کے نام سے عالی شان کوٹھیاں تعمیر ہو چکی ہیں۔

## لاہور سینٹرل جیل کا ایک رقت انگیز منظر:

راقم الحروف کو مظفر گڑھ سے گرفتار کر کے لاہور سینٹرل جیل میں بند کر دیا گیا لیکن مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا سیّد ابوذر بخاری کی گرفتاری عمل میں نہ آسکی تھی۔ لاہور سینٹرل جیل میں چند روز مجھے سیاست خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پابند کیا گیا۔ پھر بم کیس وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ وارڈ متحدہ پنجاب کے وزیرِ جیل خانہ جات بھیم سین سچر نے بھگت سنگھ اور دت کی یاد میں تعمیر کرایا تھا۔ یاد رہے کہ بھگت سنگھ اور دت جنھوں نے اسمبلی میں بم پھینک کر انگریزوں کے خلاف پُر تشدد مظاہرہ کیا تھا اور جنھیں پھانسی دی گئی تھی۔ یہ وارڈ، ان کے نام سے موسوم تھا۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو بھی گرفتار کر کے اس وارڈ میں لایا گیا۔ کچھ روز بعد جماعتِ اسلامی کی مرکزی قیادت بھی اسی جگہ لائی گئی تھی جن میں مولانا امین احسن اصلاحی، غلام علی ملک، مولانا نعیم صدیقی، مولانا کوثر نیازی، عبدالوحید خان، چراغ الدین ناظم نشر و اشاعت، شیخ فقیر حسین ناظم مالیات جماعتِ اسلامی، ماسٹر علی اکبر اور دیگر حضرات شامل تھے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ہسپتال وارڈ میں، مولانا اختر علی خاں اور مولانا خواجہ خان محمد جیل خانے کے دوسرے وارڈ میں پسِ دیوارِ زنداں تھے۔

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کو کچھ دنوں بعد خرابیِ صحت کی بنا پر رہا کر دیا گیا تھا۔ اسی اثنا میں شیخ حسام الدین سیکرٹری جنرل مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کی گرفتاری بھی عمل میں آ گئی تھی۔ لاہور سینٹرل جیل میں ان کی آمد پر مجھے اور شیخ صاحب کو دیوانی احاطے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ چند روز بعد فسادات پنجاب کی تحقیقات کرنے والی کمیٹی جو کہ جسٹس منیر احمد اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل تھی، کے حکم سے اس تحریک کے تمام مرکزی رہنماؤں کی تحقیقاتی کارروائی میں حصہ لینے اور منیر انکوائری کمیشن کو معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں لاہور سینٹرل جیل کے دیوانی احاطہ وارڈ میں منتقل کر دیا گیا چنانچہ کراچی سے گرفتار شدگان امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا

## تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، ماسٹر تاج الدین انصاری، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ کے ساتھ ساتھ ملتان سے گرفتار شدگان مولانا محمد علی جالندھری (ناظم اعلیٰ مجلس احرارِ اسلام پنجاب) مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری (ناظمِ اعلیٰ تنظیم اہلِ سنت پاکستان) ملک عبدالغفور انوری (مجلس احرار) شاعرِ ختمِ نبوت سائیں محمد حیات پسروری، مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی وارڈ میں قید کر دیے گئے تھے۔ یہ وارڈ مرکزی رہنماؤں کے سیکرٹریٹ کی حیثیت کے علاوہ مختلف مکاتبِ فکر کے رہنماؤں کے اتفاق اور اتحاد کا مظہر بھی تھا۔ حضرت امیرِ شریعت نے صدر مجلسِ عمل مولانا ابوالحسنات کو جو بریلوی مسلک کے نمائندہ رہنما تھے امامت کے لیے مصلے پر کھڑا کیا لیکن مولانا ابوالحسنات نے میرا بازو پکڑ کر امامت کے لیے اپنی جگہ مقرر کرتے ہوئے کہا کہ جب تک ہم جیل میں رہیں گے، امامت کے فرائض یہ سرانجام دیتا رہے گا۔ چنانچہ ان بزرگوں کی نگاہِ شفقت و محبت سے ایک سال تک یہ شرف و اعزاز مجھے نصیب ہوا تھا جبکہ راقم الحروف دیوبندی مسلک سے وابستہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہم کا شاگرد اور ۴۵-۱۹۴۴ء میں دارالعلوم ڈابھیل سے فارغ التحصیل ہے۔

### امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے شہیدِ ختمِ نبوت کا تذکرہ:

دیوانی احاطے کے ارد گرد لاہور سینٹرل جیل کے تمام وارڈوں میں اسیرانِ ختمِ نبوت قید تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ دیوانی احاطے میں قید ہیں تو اُنھوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ امتیاز نقوی سے ملاقات کی اجازت حاصل کی۔ چنانچہ حسبِ پروگرام تحریکِ ختمِ نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں اسیرانِ ختمِ نبوت بغرضِ ملاقات جب دیوانی احاطے کی جانب آ رہے تھے تو ہتھکڑیوں اور ٹانگوں میں کسی بیڑیوں (لوہے کی سلاخوں) کی جھنکار سے جیل کے در و دیوار میں عجیب ارتعاش پیدا ہو چکا تھا۔ قیدیوں کا قافلہ جوں جوں دیوانی احاطے کے قریب آ رہا تھا جیل کا ماحول بھی ساتھ ساتھ کروٹیں لے رہا تھا۔ بیڑیوں کی جھنجھناہٹ سن کر میں تیزی کے ساتھ احاطے کے دروازے پر پہنچا تو قیدیوں کو دیکھتے ہی میں نے جلدی سے امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

حضرات کو ان کی آمد سے مطلع کیا۔ شاہ صاحب سنتے ہی دیوانہ وار دروازے کی جانب دوڑے، اتنے میں قیدیوں کے قدم دیوانی احاطے میں داخل ہو چکے تھے۔ امیرِ شریعت نے جاتے ہی قیدیوں کی ٹانگوں میں لگی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو چومتے ہوئے فرمایا" تم لوگ ہمارا سرمایۂ نجات ہو، تم صرف عقیدۂ ختمِ نبوت اور ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کی خاطر قید و بند ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی جکڑ بندیاں برداشت کر رہے ہو۔ لوگ تو مادی مفادات اور حصولِ اقتدار کے لیے جیل خانوں کی سختیاں برداشت کر لیتے ہیں، تمہارا منشا مادی مفادات اور حصول اقتدار ہرگز نہیں ہے۔ تم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کی خوشنودی اور رضاجوئی کی خاطر پسِ دیوارِ زنداں آئے ہو، اللہ تمہیں اس کا اجرِ عظیم عطا کرے گا۔"

امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابھی ان سے مخاطب تھے کہ ایک قیدی لڑکے نے شاہ صاحب کی خدمت میں تحریک کے دوران اپنے بھائی کی شہادت کا تذکرہ کر دیا۔ سنتے ہی شاہ صاحب کی آواز گلوگیر ہو گئی، آپ نے اس لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے فرمایا:" کاش! وہ گولی جو اس نوجوان کے بھائی کا سینہ چھلنی کر گئی وہ گولی میرے سینے میں پیوست ہو جاتی اور ناموسِ رسالت کے لیے شہادت کا درجہ میرے نصیب میں ہوتا۔ خوش نصیب ہے یہ خاندان جس کے بخت میں ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر شہادت کی سعادت لکھی گئی ہے۔"

حضرت امیرِ شریعت کے ان اسیرانِ تحریکِ ختمِ نبوت سے خطاب کے دوران سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی اور دُعائیہ کلمات پر آمین کی پُرکیف صداؤں سے فضا میں تقدس کی لہریں بکھرتی جا رہی تھیں۔

## تحریکِ ختمِ نبوت اور منیر انکوائری کمیٹی کی رپورٹ:

۱۹۵۳ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کے نتیجے میں ۱۹۷۳ء کو پاکستان کا متفقہ اسلامی دستور نافذ ہوا اور ۱۹۷۴ء میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فیصل شہید اور ذوالفقار علی بھٹو کی مساعیِ حسنہ سے ساری دنیائے اسلام اور پاکستانی پارلیمنٹ کے متفقہ مطالبے اور فیصلے کے مطابق قادیانیوں کو ان کے غیر اسلامی عقائد و نظریات اور ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی عقیدۂ ختمِ نبوت سے

انکار کی بنا پر غیر مسلم قرار دے دیا گیا تھا۔ بعدازاں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کے دور حکومت میں قادیانیوں کو اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے اور اپنی عبادت گاہیں مسلمانوں کی عبادت گاہوں (مساجد) کے طرز پر رکھنے اور تعمیر کرنے سے ایک آرڈیننس کے ذریعہ منع کر دیا گیا تھا کیونکہ دنیا میں ہر مذہب (ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی) کے عبادت گاہوں کا نشان، علامت اور طرز تعمیر مختلف ہے کسی کو بھی کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ کی شکل وصورت کے مطابق عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہے تو قادیانی جب اپنے عقائد ونظریات اور خود اپنے مطالبے کے مطابق جب مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں تو اپنے لیے اپنی عبادت گاہ اور اپنے فرقے کی اصطلاحات بھی اسلامی کی بجائے اپنی استعمال کریں چنانچہ پاکستان میں بھی اس کے مطابق عمل ہورہا ہے۔

بہرنوع ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کی بابت منیر انکوائری کمیٹی کی رپورٹ کی بابت قادیانی جماعتِ احمدیہ کی طرف سے ناقدانہ ضخیم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مجلسِ عمل کے نمائندے مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش کی جانب سے بھی ایک مختصر کتابچے کی صورت میں منیر انکوائری کمیٹی کی غلط بیانیوں اور اس کی قادیانیت نوازی کا سختی کے ساتھ نوٹس لیا گیا۔ اب اس کتاب میں حقائق واضح کیے گئے اور پوشیدہ گوشوں سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔

## قادیانی سربراہ کی دھمکی:

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے اسباب ومحرکات کا گزشتہ صفحات میں مختصراً تذکرہ کیا جاچکا ہے مگر خصوصی طور پر قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کے یہ دھمکی آمیز بیانات:

۱۔ ''ہمارے نوجوان عجیب بھیڑ چال چلتے ہیں۔ جو بھی آتا ہے فوج میں بھرتی ہونے پر اصرار کرتا ہے حالانکہ ہماری فوج میں زبردست طاقت قائم ہوگئی ہے۔ اب دوسرے محکموں کی جانب توجہ دینی چاہیے۔

۲۔ ۱۹۵۲ء نہ گزرنے دیجیے اور ملک میں ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ دشمن اور ہمارے مخالف احمدیت کی آغوش میں آنے پر مجبور ہو جائیں۔''

۳- اب وقت آن پہنچا ہے ان خونی ملاؤں سے خون کا بدلہ لینے کا، چنانچہ اب بدلہ لیا جائے گا:
ملا احتشام الحق سے، ملا عطاء اللہ شاہ بخاری سے، ملا محمد شفیع سے، ملا عبدالحامد بدایوانی سے اور پانچویں سوار، ملا مودودی سے۔"

یہ اعلان قادیانی اخبار الفضل میں چوکھٹے کی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کے بعد قادیانی وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ خاں نے (جس نے بانیِ پاکستان محمد علی جناح کا جنازہ نہیں پڑھا تھا اور جنازہ گاہ میں موجود ہونے کے باوجود عین موقع پر غیر مسلم سفیروں اور اقلیتی نمائندوں کی صف میں کھڑا ہو گیا تھا) کراچی کے آرام باغ میں اپنی جماعتِ احمدیہ (قادیانیہ) کا جلسۂ عام منعقد کرانے کا اہتمام کیا اور سردار عبدالرب نشتر وغیرہ مرکزی حکومت کے دُور اندیش وزرا کے منع کرنے کے باوجود جلسہ منعقد کیا گیا تھا اور سب سے قابلِ اعتراض بات یہ کہ اس میں انتہائی اشتعال انگیز اور فساد برپا کرنے والی تقریر کرتے ہوئے سر ظفر اللہ خاں نے کہا تھا:

"اسلام ایک "مردہ مذہب" اور "احمدیت" ایک زندہ مذہب ہے۔"

سر ظفر اللہ کی اس گستاخانہ تقریر کے جملے سنتے ہی فرزندانِ اسلام احرار کارکنوں نے جلسہ درہم برہم کر دیا اور پاکستان بھر کی فضا مکدر ہو گئی۔ علاوہ ازیں پنجاب کے انگریز گورنر سر فرانسس موڈی نے انگریزوں کے اس کاشتہ پودے کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے دریائے چناب کے کنارے "ربوہ" (اب چناب نگر) کے نام پر قادیانیوں کو 1034۔ ایکڑ پر مشتمل وسیع رقبہ ایک آنہ فی ایکڑ کے حساب سے عنایت کر دیا تھا جبکہ مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان میں آ کر آباد ہونے والے کسی بھی فرقے، مسلک اور جماعت کو عقائد و نظریات کی بنیاد پر کوئی رقبہ الاٹ کر کے ان کی الگ تھلگ بستی آباد کرنے کی سہولت فراہم کرنا تو در کنار، ان میں سے آج بھی کئی مذہبی ادارے موجود ہیں، جن کی مشرقی پنجاب میں زمینیں اور جائیداد موجود تھی لیکن بے حد تگ و دو کے باوجود اُن کے نام رقبہ الاٹ نہ کیا گیا اور نہ ہی ان کی متروکہ جائیداد کے کلیم منظور کیے گئے لیکن پورے ملک میں یہ واحد ایسی مثال ہے۔ جس کے تحت مرزائیوں کے دونوں دھڑوں کو وسیع رقبے کا بلا شرکت غیرے مالک بنا کر پاکستان میں قادیانیت کے فروغ کے لیے ماحول سازگار بنا دیا گیا۔ اس سلسلے میں "ربوہ" نامی آبادی جس کا نیا نام "چناب نگر" رکھ

دیا گیا ہے۔ اس رقبے میں ماسوائے قادیانیوں کے دوسرے کسی بھی عقیدے اور نظریے کے شخص کو رہائش اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی (اس کی جزوی اجازت سابق وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے) کے دور میں ہوئی تھی اور لاہوری مرزائیوں کے لیے لاہور کے مرکزی علاقے کپورتھلہ ہاؤس واقع میکلوڈ روڈ اور میو ہسپتال کے درمیان جو "دھامل بلڈنگ الاٹ" کر دی گئی تھی۔ جبکہ اسی بلڈنگ کے سامنے نکڑ پر مرزا بشیر الدین محمود کے نام کوٹھی الاٹ کی گئی تھی اور میو ہسپتال کے توسیعی حصے میں جہاں پر ان دنوں ون یونٹ ہسپتال کی عمارت ہے۔ یہ سارا رقبہ مرزا بشیر الدین محمود کے نام قادیانی مرکز کے لیے مختص تھا۔ جسے ایک نیک فطرت شخص جناب ملک خداداد خاں وزیرِ صحت کو راقم کی جانب سے توجہ دلانے پر مرزائیوں سے خالی کرا کے وہاں میو ہسپتال کی توسیعی بلڈنگ تعمیر کی گئی ہے۔

بہر حال! بتانا یہ مقصود ہے کہ انگریز سامراج کے نمائندوں نے قیامِ پاکستان کے بعد ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کو ماننے والے رفتہ رفتہ طاقت ور ہو کر "یہودیوں" کے رُوپ اور طرز پر دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت پاکستان کے نظام حکومت پر قبضہ کر کے مسلمانانِ پاکستان کو "مرزائیت" قبول کرنے پر مجبور کر دینے پر کمربستہ ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ بلوچستان کو پہلا احمدی صوبہ بنانے کا اعلان کر چکے تھے اور جب یہ خطرناک منصوبے کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے تو قادیانی جماعت کے ترجمان الفضل میں مرزا بشیر الدین کا ایک خواب شائع کرایا گیا۔ جس میں یہ واضح طور پر بیان کیا گیا:

"ہندوستان کی تقسیم عارضی ہے اور مشیتِ ایزدی اس وسیع بیں (پاک و ہند) کو اکٹھا دیکھنا چاہتی ہے اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اکھنڈ بھارت بن جائے اور ہم دونوں باہم شیر وشکر ہو کر رہیں۔"

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کی طرف سے ایسے اعلانات ہرگز نظر انداز کر دینے والے نہیں تھے۔ فرزندانِ اسلام نے ان کا سخت نوٹس لیا اور اربابِ حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ پاکستان کو احمدی (مرزائی قادیانی) اسٹیٹ بنانے کا خواب دیکھنے والوں کا سخت محاسبہ کر کے انھیں عبرت ناک سزا دیں۔ تاکہ پاکستان کی سلامتی پر کوئی آنچ نہ آ سکے۔

## تحریکِ ختمِ نبوت کی ہمہ گیر مقبولیت:

برصغیر پاک وہند میں اگرچہ بڑی بڑی تحریکیں اُٹھی ہیں، ان کی ہمہ گیری اور مقبولیت بھی مسلمہ ہے مگر جو وسعت اور ہمہ گیری تحریک تحفظِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کو ملی ہے وہ کسی بھی دوسری تحریک کو حاصل نہیں ہوسکی۔ اس تحریک میں صرف کسی ایک مسلک اور عقیدے یا کسی خاص جماعت سے وابستہ افراد ہی نے حصہ نہیں لیا تھا بلکہ حسبِ استطاعت ہر فرزند اسلام اور جاں نثار ختمِ نبوت ورسالت، ہر مسلک وعقیدہ کے مسلمان اور ہر مسلم جماعت کے افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

اس تحریک میں ہر مسلک کے لوگ شامل تھے، اس میں مجلسِ احرارِ اسلام داعی جماعت کی حیثیت سے شامل تھی، پیرانِ طریقت اور مشائخ عظام بھی شریک تھے اور سیاسی جماعتوں کے دینی ذہن وعقیدہ کے حامل حضرات بھی۔ حتیٰ کہ سرکاری محکموں کے افراد نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، یہ واحد تحریک تھی جس میں حصہ لیتے ہوئے لاہور کے سیکرٹریٹ، محکمہ ڈاک اور ریلوے کے بعض مقامات پر بھی ہڑتال ہوئی تھی۔ اس تحریک میں حصہ لینے والی دینی شخصیات کے اسمائے گرامی اگرچہ قبل ازیں اشاعت پذیر ہوچکے ہیں لیکن نسلِ نو کی آگاہی کے لیے ضروری ہے کہ ان عظیم دینی وسیاسی اور ملی شخصیات اور مشائخ عظام کا مختصر اُتعارف کرادیا جائے۔

مشائخ عظام میں سے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف کے فرزند پیر سید محی الدین شاہ، عرف بابوجی رحمۃ اللہ علیہ نے آل پارٹیز تحفظِ ختمِ نبوت کنونشن برکت علی ہال لاہور میں جب شرکت فرمائی اور قدم رنجہ ہوئے تو قائدِ احرار امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیوانہ وار بڑھ کر پیر صاحب کا استقبال کیا اور دورانِ معانقہ پیر صاحب کے چہرے کا بوسہ لیا تھا۔

## مرزا قادیانی کا خبثِ باطن:

یاد رہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی شخصیت تھی جنھوں نے جھوٹے مدعیٔ نبوت مرزا قادیانی کا تعاقب کرتے ہوئے اسے توبہ کرنے کی جب دعوت دی تھی تو مرزا قادیانی نے حق وصداقت کی بات تسلیم کرلینے کی بجائے اُلٹا پیر صاحب اور مولانا کرم دین

آف بھیں ضلع جہلم پر ایک ہزار مرتبہ لعنت بھیجتے ہوئے صرف الفاظ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ہزار کی گنتی، یہ لفظ ''لعنت'' باقاعدہ لکھ کر پوری کی اور اپنی کتاب نور الحق کے صفحات لعنت سے کالے کیے تھے۔ اس طرح ایک ہزار تک لعنت کا لفظ بقلمِ خود لکھ کر خبثِ باطن ظاہر کیا گیا۔ کتاب نور الحق کے یہ صفحات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذرا سوچیے! کون جاہل اور نکما ہوگا کہ اس طرح کی حرکتیں کرے۔ چہ جائیکہ رُوحانی رہنما، ''مصلح موعود'' بلکہ مدعیٔ نبوت ہونے کا دعویدار اور یہ طرزِ عمل؟ علاوہ ازیں مرزا قادیانی نے مشہور بزرگ شیخ اللہ بخش تونسوی، شیخ غلام نظام الدین بریلوی اور دیگر مشائخ پر قادیانیت کی مخالفت کرنے پر لعنت بھیجی اور ملعون کہا ہے۔

[انجامِ آتھم، ص:۲۵۳]

نیز پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب (گولڑہ شریف) کی بابت لکھا:

''اے گولڑہ کی زمین تجھ پر خدا کی لعنت تو ملعون کے سبب ملعون ہوگئی پس تو ہلاکت میں پڑے گی۔'' (اعجاز احمدی، ضمیمہ نزول مسیح، ص:۷۵)

یہ تھیں مرزا قادیانی کی حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی شان میں اشتعال انگیز تحریریں، اگر علما و مشائخ کے توجہ دلانے پر حکومت ان سے باز پرس کر کے معاملہ درست رکھنے کی کوشش کرتی تو وسیع پیمانے پر تحریک اور اقدامات کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور نہ ہی علامہ اقبال جیسے دانشور اور عالمِ اسلام کی ممدوح اور قابلِ احترام شخصیت کو انگریزی دورِ حکومت میں اس مطالبے کی نوبت آتی ''چونکہ قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں اس لیے انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اُمتِ مسلمہ سے الگ کر دیا جائے۔''

علامہ اقبال نے اس سلسلے میں منکرِ ختمِ نبوت کے ساتھ مسیلمہ کذاب کا سلوک کرنے کا جو مطالبہ کیا تھا وہ انوارِ اقبال نامی کتاب (شائع کردہ: اقبال اکیڈمی، لاہور) میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ان شخصیات نے بے سبب تحریک نہیں چلائی تھی بلکہ ان کی نظریں اس فتنے کے مقاصد کو دیکھ چکی تھیں۔

## تعارفِ شخصیات:

مشائخ طریقت میں سے پیر مہر علی شاہ صاحب (گولڑہ شریف) نے براہِ راست مرزا

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

قادیانی کو اس کے کذب اور فتنہ بازی سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن مرزا نے حق وصداقت کی بات قبول کرنے کی بجائے اُلٹا حضرت اور اس دور میں ان کے ہمنواؤں پر ''لعنت'' کے الفاظ کی بوچھاڑ کی، جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔

پنجاب کے مؤثر مشائخ میں سے پیر حافظ قمر الدین سیالویؒ کی ذاتِ گرامی بھی قابلِ ذکر ہے۔ آپ علم وفضل کے اعتبار سے بہت ممتاز اور نامور تھے۔ تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران آل مسلم پارٹیز کنونشن برکت علی ہال لاہور میں تشریف لائے تھے۔ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ان کا بھی سجادہ نشین گولڑہ شریف کے استقبال کی طرح والہانہ انداز میں خیر مقدم کیا تھا۔ حضرات مشائخ میں سے جناب صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ صاحب (آلومہار شریف) کی خدمات برصغیر پاک وہند کی تحریکِ آزادی خصوصاً تاریخ مجلسِ احرارِ اسلام کے صفحات میں تابدار موتیوں کی مانند روشن ہیں۔ وہ تحریکِ ختمِ نبوت میں احرار کے بزرگوں کے دوش بدوش رہے۔ مجلس احرارِ اسلام کی مرکزی قیادت کے ساتھ کئی مرتبہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن جب ہم ایک سال بعد لاہور سینٹرل جیل سے رہا ہوئے تو ایک نامور شخص، جس نے خود پوری تحریک ۱۹۵۳ء کے دوران زبانے، قلمے، قدمے قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس نے فرقہ وارانہ کشمکش پیدا کر کے مولانا سیّد ابوالحسنات صدر مجلسِ عمل اور صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ صاحب کو اہلِ حق علما سے دُور اور متنفر کر کے دم لیا تھا۔ [اس سازش پر اپنی الگ کتاب میں ان شاء اللہ مفصل روشنی ڈالی جائے گی]

مشائخ عظام میں سے پیر محمد امین صاحب سجادہ نشین وخلیفہ ترنگزئی شریف سرحد کا اسمِ گرامی آتے ہی ایمان افروز ذکرِ الٰہی کی صدائیں کانوں میں گونجنے لگتی ہیں۔ آپ نے تحریک ختم نبوت کے اکثر اجتماعات کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ جہادِ کشمیر میں حصہ لے کر ''فخرِ کشمیر'' کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ وہ جماعت ''ناجیہ سرحد'' کے امیر تھے۔ نیز ۱۶ر جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں حاجی مولا بخش سومرو (سابق وزیر بحالیات حکومت پاکستان) کی رہائش گاہ پر علامہ سیّد سلیمان ندوی کی زیرِ صدارت مشرقی اور مغربی پاکستان کے جلیل القدر علمائے کرام اور مشائخ عظام کا جو خصوصی اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں اسلامی دستوری سفارشات کے ۲۲ نکات مرتب

ہوئے اور تحریک کے مطالبات خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بغرض ملاقات ایک وفد کے اراکین کا انتخاب ہوا تو شیخ پیر محمد امین صاحب اس میں بھی شریک ہوئے تھے۔ نیز مغربی اور مشرقی پاکستان کے اور بہت سے مشائخ اور خانقاہوں کے گدی نشین بھی تحریکِ ختمِ نبوت کے اکثر اجلاسوں میں شرکت کرتے رہے اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر سرگرمِ عمل رہے تھے۔

## مختلف مکاتبِ فکر اور مسالک کی عظیم شخصیات:

مشائخ عظام کے دوش بدوش مختلف مکاتبِ فکر اور فقہی مسالک کی جن عظیم شخصیات نے اس تحریک میں لائق صد تحسین خدمات انجام دی تھیں ان میں سے چند بڑی شخصیات کے اسمائے گرامی اور ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

### مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ:

بانی صدر جمعیۃ علمائے پاکستان، برصغیر پاک و ہند کے جلیل القدر اور ممتاز عالمِ دین تھے۔ دینی علوم و معارف کے ساتھ ساتھ سیاسی شعور و ادراک کے اعتبار سے بھی منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ اُنھوں نے رُوس کا بھی دورہ کیا اور سوویت یونین کے مسلمان کے زیرِ عنوان کتاب میں اپنے سفر کی معلومات تحریر کی تھیں۔ آپ نے اپنے اخباری بیانات پر مشتمل اخباری تراشوں کا ایک البم بھی تیار کیا تھا۔ جسے منیر انکوائری کمیٹی کے رُوبرو پیش کیا گیا تو جسٹس منیر نے اس کوشش کی تحسین کی۔ مولانا ایک معروف دینی اور سیاسی خاندان کے فرد تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا عبدالقادر بدایونی کا برصغیر پاک و ہند کی عظیم دینی و ملی شخصیات میں شمار ہوتا تھا۔ جن دنوں آپ نے جمعیۃ علمائے پاکستان کی اساس قائم کی تھی مولانا شاہ احمد نورانیؒ ان دنوں جمعیۃ علمائے پاکستان کے آفس سیکرٹری تھے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس تحریک کے مرکزی قائدین کے ساتھ گرفتار ہو کر پہلے کراچی جیل میں پھر سکھر جیل اور آخر میں لاہور کی سینٹرل جیل میں ہمارے رفیقِ زنداں رہے۔

### مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ:

خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور، آل مسلم پارٹیز کنونشن پاکستان کی مجلسِ عمل کے

صدر تھے۔ مشرقی پنجاب کی ریاست الور کے باشندے تھے۔ ان سے قبل ان کے والد مولانا دیدار علی شاہ مسجد وزیر خان لاہور کے خطیب تھے۔ لاہور میں جن دنوں تحریکِ ختمِ نبوت کو ہمہ گیر اور مقبولِ عام بنانے کی منصوبہ بندی ہو رہی تھی اور مختلف مکاتبِ فکر اور مسالک کی شخصیات کو ہمنوا اور رفیقِ کار بنانے کی تجاویز درپیش تھیں، ان دنوں مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے صدرِ محترم ماسٹر تاج الدین انصاری نے ہی مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد کی خدمت میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا، چنانچہ اُنھوں نے راقم الحروف کو بھی شریکِ سعادت کر کے مولانا ابوالحسنات سے ان کی رہائش گاہ اندرون اکبری گیٹ لاہور ملاقات کی۔ مولانا سیّد ابوالحسنات قادری نے ختمِ نبوت کے تحفظ کی بابت معلوماتی گفتگو سن کر برجستہ فرمایا: ''ماسٹر صاحب! ہم لوگ ساری زندگی حضرت سیّد خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمِ مبارک کے حوالے سے شکم پری کرتے رہے اب حضور ﷺ کی ناموس اور ختمِ نبوت کے تحفظ کے مرحلے میں صرف میں اکیلا ہی نہیں، میری آل اولاد، تن من دھن سب کچھ نثار اور حاضر ہیں۔'' مولانا ابوالحسنات کے اس ایمان افروز جملے سے ہماری آنکھوں میں تحسین وآفرین کے آنسو تیر گئے تھے۔ بعدازاں جب تحریکِ ختمِ نبوت کے بڑے بڑے اجتماعات منعقد ہوئے تو لاہور کی مسجد وزیر خان کے یہ خطیب اور ان کے فرزند مولانا خلیل احمد قادریؒ نے ان اجتماعات میں کبھی حاضری میں کوتاہی نہیں کی۔ پھر جب تحریک خوب زوروں پر تھی تو بعض حکومتی ٹاؤٹوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ مجلسِ عمل کی جانب سے ۸ر فروری ۱۹۵۳ء تک مطالبات تسلیم نہ کیے جانے کی صورت میں مجلسِ عمل نئی تاریخ کا تعین کرے گی چنانچہ اس کی وضاحت کے لیے راقم الحروف نے جب مولانا ابوالحسنات صدر مجلسِ عمل سے ملاقات کی تو آپ نے ایک سطری تحریر میں توسیع کے پروپیگنڈے کی تردید کرتے ہوئے اسے آخری اور حتمی تاریخ قرار دیا تھا۔ چنانچہ ۲۸ر فروری ۱۹۵۳ء کو وزیرِاعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے والی تمام شخصیات کو مولانا ابوالحسنات سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ ادھر لاہور میں مولانا ابوالحسنات کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری کو تحریکِ ختمِ نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں گرفتار کر کے مارشل لا کے تحت چودہ سال کی سخت سزا سنائی گئی تھی۔ بعدازاں جب منیر انکوائری کمیشن نے تمام مرکزی رہنماؤں کو لاہور سینٹرل جیل میں منتقل کرنے کے احکام

جاری کیے تو مولانا بھی کراچی اور سکھر جیل سے ہوتے ہوئے دیگر مرکزی قائدین امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا لال حسین اختر اور صاحبزادہ سیّد فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ لاہور سینٹرل جیل کے دیوانی احاطے میں منتقل ہوگئے تھے۔ اس احاطے میں شیخ حسام الدین ناظمِ اعلیٰ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان اور راقم الحروف پہلے ہی موجود تھے پھر مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا محمد علی جالندھری، ملک عبدالغفور انوری، مولانا محمد شریف جالندھری اور سائیں محمد حیات پسروری رحمۃ اللہ علیہم اس احاطے میں آ گئے تھے۔ مشہور ادیب، مصنف اور صحافی سبط حسن بھی سیفٹی ایکٹ کے تحت ہمارے احاطۂ جیل میں منتقل کر دیے گئے تھے۔

## عظمتِ امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے ایک سال کے عرصے میں مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کو بیت الخلاء جاتے وقت کبھی لوٹا اُٹھانے کا موقع نہیں دیا بلکہ پانی بھر کر دروازے تک خود چھوڑ کر آتے۔ حتیٰ کہ ہمیں اصرار کے باوجود یہ خدمت انجام دینے کی ہرگز اجازت نہ دی۔

امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"ہم لوگ تو مختلف تحریکوں میں حصہ لے کر مصائب برداشت کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ قید و بند کی صعوبتیں ہمارے لیے نئی اور انوکھی نہیں ہیں۔ ہتھکڑیوں اور آہنی بیڑیوں کی جھنکار تو ہمارے لیے قابلِ افتخار زیور کی حیثیت رکھتی ہے لیکن مولانا ابوالحسنات جس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس وادی کے لوگ نہیں ہیں۔ اُنھوں نے جس صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور پاداشِ حق میں زینت زنداں بنے ہیں، لائق صد تحسین و آفریں ہے۔ پھر گھر میں کوئی دوسرا بچہ اور نرینہ اولاد موجود نہیں ہے جو اہلِ خانہ کو روزمرہ کی اشیائے خوردنی ہی بازار سے لا کر دے سکے۔ دونوں باپ بیٹا یہاں جیل خانے کی سلاخوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کے سینے میں ناموسِ رسالت اور عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کا جذبۂ صادق موجود ہے۔ ہم اس کا نہ تو حق ادا کر سکتے ہیں اور نہ ہی زبان و الفاظ اس کے صحیح عکاس ہو سکتے ہیں۔ قلبی کیفیات گفتنی نہیں ہوا کرتیں۔ میرے دل میں

مولانا کی بڑی قدر و منزلت ہے۔“

## امیر شریعت، مولانا ابوالحسنات کی نظر میں:

جیل سے رہائی کے بعد مولانا سید ابوالحسنات نے اپنی کئی مجالس اور بعض عوامی اجتماعات میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلوص و محبت اور تحفظ ختم نبوت کے لیے عظیم خدمات کا برملا اعتراف کیا اور انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

”بخاری صاحب کے بارے میں پہلے تو میری رائے درست نہ تھی۔ لیکن جیل میں اُن کو ہر لحاظ سے پرکھا تو ان کے بارے میں میری رائے بدل گئی، وہ بہت مخلص اور بہادر آدمی ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق ہیں۔ اسی وجہ سے میرے دل میں اُن کا بہت احترام ہے۔

## ایک یادگار تقریب:

تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران پسِ دیوارِ زنداں اگرچہ دیگر خالص اسلامی ایام عیدین وغیرہ کی تقریبات بھی انجام پذیر ہوتی تھیں لیکن لاہور سینٹرل جیل میں ۱۲ ربیع الاوّل کی تقریب کا جو اہتمام مولانا سیّد ابوالحسنات نے کیا تھا وہ قابلِ ذکر ہے۔ ایک دن نمازِ فجر کے بعد مولانا نے مجھے حکم دیا کہ مشقتیوں کو ساتھ لے کر دو چار بڑی اینٹیں کہیں سے اکٹھی کرو! میں نے تعمیل ارشاد کی، پھر پوچھا: مولانا! اس کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: ”آج کی تقریب کے لیے کچھ تیار کرنا ہے اس پر میں نے ”تیاری“ کے انتظامات کا بغور جائزہ لینے کا اہتمام کیا۔ مولانا ابوالحسنات نے بسکٹ نما ٹکیاں تیار کر کے ابھی کمرے میں رکھوائی ہی تھیں کہ میں نے پلیٹ سے ایک ٹکیہ اُٹھا کر چکھ لی۔ اس پر مولانا نے اظہارِ حیرت کے انداز میں کہا: ارے! یہ کیا؟ میں نے مسکراتے ہوئے عرض کیا: حضرت! میں نے مقصدِ تقریب کی تکمیل کی ہے۔ اتنے میں دیگر حضرات بھی کمرے میں تشریف لے آئے۔ شاہ صاحب نے دریافت کیا: مقصدِ تقریب کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بسکٹوں کا ختم ہے۔ میں نے اس کے افتتاح کی سعادت پائی ہے۔ اس گفتگو کے دوران مشقتی فتح دین بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چائے وغیرہ لے کر آگئے۔ سب حضرات نے ناشتہ کیا اور ”سلام و قیام“ کے بغیر ہی یہ تقریب ختم ہوگئی تھی۔

مولانا ابوالحسنات خاموشی سے کچھ کلمات پڑھتے رہے۔ نہ کوئی بحث وتکرار، نہ مسلکی برتری کا تاثر۔ بس باہمی اُلفت ومحبت کا مظاہرہ تھا۔ جس کے مطابق ایامِ اسیری نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوئے تھے۔

## ماسٹر تاج الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ:

لاہور سینٹرل جیل کے دیوانی احاطے کی معمر شخصیات اور قائدینِ تحریک میں محترم ماسٹر تاج الدین انصاری صدر مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان بھی تھے۔ جناب ماسٹر صاحب مشرقی پنجاب کے مشہور شہر لدھیانہ کے باشندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم وادب اور سیاسی فہم وفراست میں درجۂ کمال کی سرفرازی عطا کی تھی۔ مجلسِ احرارِ اسلام کے بانی رہنما چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے فرنگی دورِ حکومت میں امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی حسبِ خواہش محترم ماسٹر تاج الدین کو قادیان میں اپنا نمایندہ مقرر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''تاج الدین کام کے لحاظ سے محنتی چیونٹی اور تدبر کے لحاظ سے دشمن کو تاروں میں الجھا کر مارنے والی مکڑی ہیں۔'' چنانچہ قادیان میں رہ کر آپ نے انگریز حکمرانوں کے مراعات یافتہ قادیانیوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ کئی مرزائی قادیان چھوڑ گئے اور کئی مرزا البشیر الدین محمود (فرزند مرزا قادیانی) کے ذاتی مخالف ہو کر لاہوری مرزائی گروپ میں چلے گئے تھے۔

بہر نوع ماسٹر تاج الدین انصاری کی ذات بہت سی خوبیوں اور محاسن سے آراستہ تھی۔

مجلسِ احرار کے ترجمان روزنامہ آزاد لاہور کے دورِ اوّل ۱۹۴۶ء میں نواب زادہ نصر اللہ خان اس کے چیف ایڈیٹر، آغا شورش کاشمیری نائب ایڈیٹر، شیخ حسام الدین اس کے پرنٹر پبلشر اور ماسٹر تاج الدین انصاری نہ صرف رکن ادارہ بلکہ اخبار کے پالیسی ساز تھے۔ مشرقی پنجاب کے لرزہ خیز فسادات کے دوران ماسٹر تاج الدین انصاری نے لدھیانہ میں ہندو سکھ درندوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مسلمانانِ لدھیانہ میں سے ماسٹر صاحب آخری شخص تھے جس نے تمام مسلمانوں کو پاکستان بخیریت روانہ کرنے کے بعد لدھیانہ کو خیر باد کہہ کر پاکستان کی جانب ہجرت کی تھی۔ قیامِ پاکستان کے وقت وہ آل انڈیا مجلسِ احرارِ اسلام کے صدر تھے۔ آپ نے سرخ لکیر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں تقسیم کے دوران ہندو سکھ دشمنانِ اسلام کے ظلم وستم کے لرزہ خیز واقعات درج ہیں۔

## تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

## شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ:

آل انڈیا مجلسِ احرارِ اسلام کے سیکرٹری جنرل شیخ حسام الدین ایک حق گو، بہادر اور جراءت مند شخصیت تھے۔ آپ امرتسر میں پیدا ہوئے۔ خوشحال گھرانے سے تعلق تھا۔ آپ کا خاندان کشمیری شالوں کی تجارت کرتا تھا لیکن شیخ حسام الدین نے فرنگی دور میں گریجویشن کے بعد ٹرانسپورٹ کا کاروبار شروع کیا۔ اس زمانے میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ جبھی تو شیخ صاحب کے نام کے ساتھ بی اے کا لاحقہ منسلک تھا۔ جیسا کہ مولوی محمد بخش مسلم بی اے اور صاحبزادہ سیّد فیض الحسن بی اے کے نام سے مشہور تھے جبکہ انگریزی حکومت مسلمانوں کو تعلیمی اور تجارتی میدان میں ہندوؤں سے سبقت لے جانے اور برتری حاصل کرنے کے سخت خلاف تھی۔ اس ناگفتہ بہ صورتِ حال کا سیدی شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عمومی خطاب میں پوری تفصیل کے ساتھ تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ شیخ حسام الدین امرتسر میں امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جماعتی رفیق تو تھے ہی، سکونت کے اعتبار سے بھی ایک ہی شہر کے باشندے تھے۔ ٹرانسپورٹ کے شعبے میں شیخ صاحب نے اتنی ترقی کی کہ آپ آل انڈیا موٹر یونین کے چیئر مین منتخب ہوئے۔ بایں ہمہ تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور حق گوئی و بے باکی کی پاداش میں آپ کو کئی مرتبہ قید و بند کی بھی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ تحریکِ آزادی کے دوران جب مجلسِ احرارِ اسلام نے اپنا ترجمان روزنامہ آزاد لاہور سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو ڈیکلریشن شیخ حسام الدین کے نام سے حاصل کیا گیا تھا۔ شیخ حسام الدین نے ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران میرے خصوصی تقاضے پر لاہور سینٹرل جیل میں ہی مجلسِ احرارِ اسلام کی تاریخی سرگزشت، قادیانی مسئلے میں احرار کی خدمات اور تحریکِ ختمِ نبوت کے بعض اہم پہلوؤں کی بابت ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو راقم نے اپنے رسالہ ساربان میں شائع کیا تھا۔ اس کے آخری حصے میں اپنی گرفتاری کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اُنھوں نے لکھا ہے:

میں ۲۱ جنوری ۱۹۵۳ء کی رات کو کراچی سے اس غرض کے لیے لاہور روانہ ہوا کہ مجھے بذریعۂ ٹیلی فون اطلاع ملی تھی محکمہ امداد باہمی پنجاب کا ایک سرکاری وفد ۲۳ جنوری کو دہلی

روانہ ہو رہا ہے جس میں میری شرکت لازمی سمجھی گئی ہے۔ وجہ یہ تھی کہ اس وفد کے پیش نظر دونوں صوبہ ہائے پنجاب (مشرقی اور مغربی) کے مسلم اور غیر مسلم کوآپریٹو سوسائٹیوں اور ٹرانسپورٹ کے حصہ داروں کے حقوق اور قرضہ جات وغیرہ کا باہمی تصفیہ کرنا تھا۔ چونکہ میرا تعلق تقسیم ہند سے پیشتر پنجاب موٹر یونین اور آل انڈیا موٹر یونین کے صدر کی حیثیت سے تھا، یہ محکمہ کوآپریٹو کے تعاون سے چلتا تھا۔ پاکستانی سرکاری وفد کے ساتھ میری شرکت مفید ثابت ہوئی تھی۔ چونکہ مجھے اس وفد میں شرکت کی اطلاع دیر سے ملی تھی اس لیے پاسپورٹ وغیرہ کی تیاری کے باعث ۲۴ رجنوری ۱۹۵۳ء کو روانگی اور دہلی کے سرکٹ ہاؤس میں اپنے وفد سے جاملا۔ وہاں مجھے اپنے ضروری کاغذات وغیرہ کی تیاری میں وقت لگا کہ یکا یک اخبارات کے ذریعے مجھے اطلاع ملی کہ میرے تمام رفقائے کار اور آل مسلم پارٹیز مجلسِ عمل کے رہنما، کارکن، معاونین وغیرہ سب گرفتار کر لیے گئے ہیں اور جو لوگ گرفتاری سے رہ گئے ہیں، ان کے گھروں پر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھارت میں اپنی تمام مصروفیات منسوخ کر کے پاکستان واپسی کا پروگرام بنایا اور ۲۸ رفروری کی شب ٹرین میں سوار ہو کر یکم مارچ کی صبح فیروز پور اسٹیشن پہنچ گیا۔ وہاں سے میں نے اپنے معذور لڑکے شیخ ریاض الدین کی معرفت سپرنٹنڈنٹ پولیس کو

اپنی واپسی کی بذریعہ ٹیلی فون اطلاع دی جس پر مجھے معلوم ہوا کہ پورے ملک میں وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہے۔ مجلسِ احرار اور مجلسِ عمل کے دفتروں پر پولیس نے قبضہ کر لیا ہے۔ تمام لٹریچر ضبط ہو گیا ہے نیز مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ میرے بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے ہیں۔ بعد ازاں جب میں بارڈر پر پہنچا تو میرے لڑکے کے ساتھ ایک تھانیدار بھی پہنچ گیا تھا۔ میرے لڑکے نے مجھے بتایا کہ میری سرکاری وفد کے ساتھ بھارت روانگی کے بعد پروپیگنڈا کیا گیا کہ شیخ حسام الدین بھارت میں تحریکِ ختمِ نبوت چلانے کی خاطر مالی امداد لینے گئے تھے۔ مجھے قصور سرحد پر گرفتار کر کے وہاں کی جیل میں رکھا گیا۔ ۲۵ رمارچ ۱۹۵۳ء تک وہاں کی قید تنہائی کے بعد ۲۶ رمارچ کی رات بورسٹل جیل میں اور ۲۷ رمارچ کو لاہور سینٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جیل خانے میں دیوانی احاطہ ایک ایسی جگہ تھی جس میں انگریزی حکومت دیوانی مقدمات کے ملزموں کو اپنے خرچ پر نظر بند رکھتی تھی۔

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

### احاطۂ دیوانی میں:

شیخ حسام الدین صاحب نے جیل عملے سے جب دوسرے قیدیوں کے بارے میں دریافت کیا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مسٹر امتیاز علی نقوی نے بم کیس وارڈ میں قید مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ، مولانا غلام محمد ترنم خطیب جامع مسجد سیکریٹریٹ لاہور اور راقم الحروف کے نام لیے۔ شیخ صاحب نے ان سے کہا کہ مجاہد الحسینی کو یہاں دیوانی احاطے میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ مجھے دیوانی احاطے میں بھیج دیا گیا۔ چند روز بعد کراچی میں گرفتار شدہ مرکزی قائدین مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صدر مجلسِ عمل، امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، ماسٹر تاج الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر شخصیات جن کا گزشتہ صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے، منیر انکوائری کمیشن کے رُوبرو پیش ہونے اور تحریک کی بابت معلومات کے لیے ان سب کو دیوانی احاطے میں یکجا کر دیا گیا تھا۔

شیخ حسام الدین صاحب کی گرفتاری کے حوالے سے محفل زندانیاں میں ایک روز گفتگو ہو رہی تھی کہ حکومت پنجاب کے ایک بڑے افسر نے اخباری بیان میں الزام لگایا ہے کہ شیخ صاحب اور ان کے تمام ساتھی بھارتی سرمایے سے تحریکِ ختمِ نبوت چلا رہے ہیں اور قصور بارڈر پر جب شیخ صاحب کو بھارت سے واپسی پر گرفتار کیا گیا تو ان کی ٹانگوں پر لاکھوں روپے بھارتی کرنسی لپٹی ہوئی تھی جسے پکڑ لیا گیا ہے۔

ماسٹر تاج الدین صاحب چونکہ بڑے شگفتہ مزاج اور بذلہ سنج تھے، اُنھوں نے برجستہ کہا:

''شیخ صاحب کے تو وارے نیارے ہیں۔ چونکہ انھیں قصور سرحد پر گرفتار کر کے سیدھا جیل خانے میں لے جایا گیا ہے اور پرزنرز ایکٹ کے تحت جیل میں داخلے کے وقت جامہ تلاشی لے کر جیب میں موجود کرنسی اور دیگر اشیا جیل کی ڈیوڑھی میں رکھ لی جاتی ہیں اور رہائی کے وقت اس کے سپرد کر دی جاتی ہیں لہٰذا شیخ صاحب کی جامہ تلاشی کے دوران بھارتی کرنسی جیل کے عملے نے اپنے پاس رکھ لی ہے۔ اب شیخ صاحب! آپ کی جب رہائی کے احکام آئیں تو جیل خانے کی ڈیوڑھی سے اس وقت تک باہر نہ جائیں۔ جب تک کہ وہ بھارتی کرنسی وصول نہ کر لیں کیونکہ وہ

آپ کی امانت ہے۔" اس پر محفل کشتِ زعفران بن گئی۔ مولانا ابوالحسنات نے پوپلی زبان میں (چونکہ بڑھاپے کے باعث دانت نہیں تھے) مسکراتے ہوئے کہا: "کاش! شیخ صاحب کے ساتھ ہم بھی کسی سرکاری وفد میں بھارت گئے ہوتے تو ہمیں بھی تحریکِ ختمِ نبوت کو چلانے کے لیے کئی لاکھ روپے کی کرنسی مل جاتی اور پھر میں تو صدرِ مجلس ہوں۔" اس پر ماسٹر صاحب نے پھر گرہ لگائی: "حکومت سے پوچھنا چاہیے کہ اب سرکاری وفد بھارت کب جائے گا۔ تاکہ اس میں شمولیت کی ہم بھی کوشش کریں۔" (یاد رہے کہ تحقیقاتی کمیٹی کے رُوبرو اس حکومتی پروپیگنڈے اور بے ہودہ الزام تراشی کا جب حوالہ دیا گیا تو پنجاب کے اس افسر نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا تھا کہ میں نے ایسا کوئی الزام عائد نہیں کیا ہے۔

## شیخ صاحب کے گھر شعراء کی محفل:

شیخ حسام الدین قیامِ پاکستان کے بعد امرتسر سے لاہور آ کر چوک گوالمنڈی کے قریب ایک متروکہ مکان میں آباد ہوگئے تھے۔ آپ کی رہائش گاہ پر علمی وادبی اور سیاسی محفلیں خوب سجتی تھیں جن کے شرکا میں فیض احمد فیض، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ایم ڈی تاثیر، حبیب جالب، جانباز مرزا، علامہ لطیف انور، شریف جالندھری، ساغر صدیقی اور گاہے گاہے احمد ندیم قاسمی، شورش کاشمیری، امین گیلانی اور دیگر حضرات کے اسمائے گرامی خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ کبھی کبھی ماسٹر تاج الدین انصاری اور راقم الحروف کو بھی اس محفل میں شرکت کا موقع ملتا رہتا تھا۔ حبیب جالب ماچس کی ڈبیہ کو دَف کی مانند بجاتے ہوئے جب اپنا کلام سناتے تو سماں بندھ جاتا۔ اُدباؤ شعرا کے علاوہ جب دینی اور سیاسی شخصیات کی تشریف آوری ہوتی تو اس میں بھی عظیم مرتبے کی شخصیات رونق افروز ہوتی تھیں۔ جن میں مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا غلام محمد ترنم امرتسری، مولانا بہاء الحق قاسمی (والد ماجد عطاء الحق قاسمی) مولانا عبیداللہ انور، مولانا محمد ابراہیم خطیب مسجد انارکلی اور مولانا سید ابوذر بخاری (فرزند اکبر امیرِ شریعت) رحمۃ اللہ علیہم کے نام خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک بے باک اور حق گو خطیب و مقرر تھے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں آپ کی تقاریر خاصی مقبول ہوتی تھیں۔ آپ نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی پر ایک

انگریز مصنف ایڈورڈ تھامس کی "THE OTHER SIDE OF THE MEDAL" کتاب کا ترجمہ ''تصویر کا دوسرا رُخ'' کے نام سے ۱۹۳۱ء میں گجرات جیل میں قید کے دوران کیا تھا جو انہی دنوں شائع ہوئی۔ جس میں جنگِ آزادی کے اسباب و محرکات اور پس منظر پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔ شیخ حسام الدین نے فرنگی سامراج کے خلاف جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا تھا جس کی پاداش میں کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ان کی آخری قید ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران ہوئی تھی۔ شیخ صاحب لاہور کی ڈسٹرکٹ ٹرانسپورٹ سروس سرکلر روڈ بیرون شاہ عالم مارکیٹ کے چیئرمین اور کوآپریٹو سوسائٹی پنجاب کے بھی سربراہ تھے۔ ان کے دینی ذوق و جذبے، صحیح عقائد و نظریات کی بنا پر ہی انھیں مجلسِ احرارِ اسلام کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا تھا۔ وہ بہترین مقرر، اعلیٰ ادبی ذوق کے مالک اور کہنہ مشق انشا پرداز تھے۔ جب لاہور سینٹرل جیل کی تمام بارکیں اور کمرے تحریک میں جاں نثارانہ شرکت کرنے والوں سے بھر گئے تھے تو نظر بندوں کے لیے جیل خانے کے اندر خیمے نصب کیے گئے تھے۔ چنانچہ ہمارے وارڈ دیوانی احاطے میں دو خیمے نصب ہوئے تھے۔ ایک میں شیخ حسام الدین اور راقم الحروف، دوسرے میں صاحبزادہ فیض الحسن شاہ اور سبط حسن تھے۔ سبط حسن صاحب تحریکِ ختمِ نبوت کے ''مجرم'' نہ تھے بلکہ فیض احمد فیض اور خان عبدالغفار خان کے ساتھ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیے گئے تھے۔

## شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی جیل میں تشریف آوری:

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری (امیر انجمن خدام الدین) کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ جس شخصیت کے ہاں شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث علامہ محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، ابوحنیفۂ ہند مولانا مفتی کفایت اللہ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی، علامہ محمد اقبال، امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا سیّد محمد میاں، مولانا عبیداللہ سندھی، قاری محمد طیب، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خاں، مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہم اور دوسری جلیل القدر شخصیات رونق افروز ہوتی ہوں، جنھوں نے تحریکِ آزادیِ ہند میں ممتاز اور قد آور شخصیات کی رفاقت میں جدوجہد کی ہو اور

ان کے ساتھ پسِ دیوارِ زنداں صعوبتیں برداشت کی ہوں، جنھیں علامہ اقبال، مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے اعزاز میں دی گئی دعوت میں خصوصی طور سے مدعو کرتے ہوں اور جن کے سٹیج پر علامہ انور شاہ کشمیری نے سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیرِ شریعت کا خطاب پانچ سو علمائے کرام کی موجودگی میں عطا کر کے تمام علماء سمیت اُن کے ہاتھ پر بیعت کی ہو۔ اس عظیم مرتبے کی شخصیت کا تعارف یہ عاجز کیا کروا سکتا ہے؟ کہ جس کے دستِ حق پرست پر سینکڑوں مقبولانِ بارگاہِ الٰہی، صالح و عابد، زاہدِ شب زندہ دار، مریدین باصفا، اولیا و اتقیا بیعت ہوں اس ذاتِ گرامی کا تعارف نامہ ایک حقیر پُر تقصیر کس منہ سے کرانے کی جسارت کرے؟ لاہور سینٹرل جیل میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی جب تشریف آوری ہوئی تو اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل نے، جو اُن کا مرید تھا، ہمارے وارڈ میں آ کر اطلاع دی کہ شیخ لاہوری بھی گرفتار ہو کر آپ کے اسی وارڈ میں تشریف لا رہے ہیں اور ان کے لیے میں چارپائی کا بندوبست کرتا ہوں۔ چونکہ جیل میں سارے قیدی زمین پر ہی اپنا بستر بچھائے شب و روز گزارتے تھے وہاں چارپائی کا کوئی تصور نہ تھا لیکن ایک مرید اپنے پیر و مرشد کے لیے چارپائی لے کر آ گیا۔ میں نے اس کے ساتھ مل کر وہ چارپائی بم کیس وارڈ کے سامنے والے بڑے کمرے میں بچھا دی، اس پر چٹائی ڈال کر کمبل بچھایا اور کمبل کے اُوپر اپنی بیڈ شیٹ ڈال کر اسے آرام دہ بنا دیا۔ جب شیخ لاہوری تشریف لائے تو آپ نے آتے ہی دریافت کیا: یہ چارپائی پر بستر کس کے لیے ہے؟

میں نے عرض کیا کہ...... حضرت یہ آپ کی خاطر ہے!

حضرت نے دریافت کیا: ''آپ سب لوگوں کے لیے چارپائیاں اسی طرح موجود ہیں؟'' میں نے عرض کیا: ''حضرت! باقی لوگ زمین پر ہی بستر بچھائے لیٹ جاتے ہیں۔'' یہ سنتے ہی شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اُٹھ کر اپنا بستر زمین پر ڈالتے ہوئے فرمایا: ''محافظینِ ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو زمین پر لیٹے ہوں اور احمد علی چارپائی پر؟ یہ تو نہ صرف محبانِ رسول کی اہانت ہے بلکہ مساواتِ اسلامی اور میرے ضمیر کے بھی منافی ہے۔'' پھر شیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بھی زمانۂ اسارت میں زمین پر ہی دوسرے قیدیوں کے ساتھ استراحت فرمایا کرتے تھے۔

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری (امیر انجمن خدام الدین لاہور) نے اپنی بیماری،

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

ضعیف العمری اور کمزوری کے باوجود اپنے اوراد و وظائف اور ذکر و فکر کا سلسلہ جیل میں بھی جاری رکھا۔ بعد نمازِ فجر درسِ قرآن کے بعد شیخ لاہوری کے ہمراہ راقم الحروف کو سیر کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ جیل کی بڑی دیوار کے ساتھ ساتھ چہل قدمی ہوتی تھی۔ اس دوران مولانا عبیداللہ سندھی کے نظریات خصوصاً معاشیات کی بابت ان کے خیالات کی تشریح موضوعِ سخن ہوتی تھی۔ شیخ لاہوری نے پروفیسر محمد سرور جامعی کی بعض کتب کو نظریاتِ مولانا سندھی کے منافی قرار دیتے ہوئے ان کی ازسرِ نو اشاعت کا عندیہ دیا تھا۔ اسی اثنا میں فقیر نے شیخ التفسیر کی خدمت میں ہفت روزہ خدام الدین شائع کرنے کی تجویز پیش کی تھی جسے شیخ نے شرفِ قبولیت سے نوازا اور اس کا پہلا شمارہ بھی رہائی کے بعد اس فقیر نے ہی تیار کیا تھا اور اس کا ٹائٹل بھی جو بعد ازاں ایک مدت تک شائع ہوتا رہا وہ بھی راقم الحروف، مولوی عبدالحمید آزاد اور آبکاری روڈ انارکلی کے عبدالحمید آرٹسٹ تینوں نے باہمی مشاورت سے آراستہ کیا تھا۔ بعد ازاں شیخ التفسیر کو وزیراعلیٰ پنجاب ملک فیروز خان نون نے جو شیخ کے معتقد اور قدر دان تھے، ان کی بیماری اور ضعیف العمری کی بنا پر رہا کرنے کے احکام جاری کر دیے تھے۔ شیخ التفسیر کی رہائی کے بعد روزنامہ آزاد کا ڈیکلریشن نہ ملنے کی وجہ سے مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش سے جب ان کا اخبار نوائے پاکستان لے کر ترجمان ختمِ نبوت کی حیثیت سے شائع کرنے کا فیصلہ ہوا تو شیخ التفسیر نے اس کے لیے خیر مقدمی الفاظ پر مشتمل دُعائیہ کلمات کے ساتھ شفقت نامہ بھی عطا فرمایا تھا۔ جیل خانے کے حوالے سے یہ بات خصوصاً قابلِ ذکر ہے کہ اسی تحریک کے دوران جب شیخ التفسیر مولانا احمد علی کو گرفتار کر کے ملتان جیل میں نظر بند کیا گیا تھا تو رفقائے زنداں میں مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اس دوران حضرت شیخ اور قاضی احمد شجاع آبادی کو زہر دینے کی بھی سازش ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ چند روز طبیعت تشویش ناک رہنے کے بعد رُوبصحت ہو گئے تھے۔ قاضی صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ شیخ التفسیر سے تو میری اس موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی البتہ میری اپنی حالت یہ ہو گئی ہے کہ اضطراب اور بے چینی ہر وقت جسم پر مسلط رہتی ہے۔ پتہ نہیں ہمیں جیل خانے میں کھانے میں کیا کچھ کھلا دیا گیا ہے؟

یاد رہے کہ فرنگی دورِ حکومت میں مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کچھ

کھلا دیا گیا تھا (پارہ وغیرہ) جس کے باعث چودھری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گلا بیٹھ گیا تھا اور آواز گھگھی ہوگئی تھی، بلند آواز سے گفتگو بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہم صدر مجلسِ عمل نے بھی شکایت کی تھی کہ سکھر جیل میں ہمیں چاولوں کے آٹے کی روٹی کے ساتھ جس قسم کا سالن دیا جاتا تھا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ہم تو اللہ کا شکر ادا کر کے کھا لیتے تھے کیونکہ جیل خانے کے اندر ایسے مجبور اور بے بس قیدی بھی تھے جنھیں ایسی خوراک بھی نصیب نہ ہوتی تھی۔

جیل سے رہائی کے بعد خود میری حالت دگرگوں ہوگئی تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی بھی خوراک ہضم نہیں ہوتی تھی بلکہ اسی وقت قے ہو جاتی تھی۔ پہلے زرد پانی کا ہر وقت منہ سے اخراج ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ چھ ماہ تک لاہور کے مخلص اور محسن بھائی حاجی محمد افضل صاحب آف سلطان فونڈری کے ہاں بیماری کے دن گزارے۔ ان بھائیوں (حاجی محمد اسلم صاحب، مولانا محمد اکرم صاحب اور حاجی محمد افضل صاحب رحمہم اللہ) نے جس خلوص و محبت کے ساتھ میری تیمارداری کی اس احسانِ عظیم کا اجر انھیں اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ ان بھائیوں کے تعاون کے سلسلے میں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ سلطان فونڈری لاہور کا واحد ایسا ادارہ ہے جن کے ہاں حضرت امیرِ شریعت، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد یوسف بنوری، امیر تبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری ثم مدنی، جگر مراد آبادی، مولانا عبدالقادر رائے پوری کے عزیز مولانا عبدالجلیل اور مولانا عبدالوحید، مولانا محمد علی جالندھری اور فاتح قادیان مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر عظیم شخصیات قیام فرمایا کرتی تھیں۔ بھائی محمد افضل صاحب تبلیغی جماعت کے مرکزی رہنماؤں میں شامل تھے اور مولانا محمد اکرم صاحب جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے ناظمِ اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے۔



شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کی ذاتِ گرامی کئی خصوصیات اور منفردات کی حامل تھی۔ تبلیغِ اسلام کے لیے اگر کہیں مدعو ہوتے تو داعی حضرات سے مشروط وعدہ کیا کرتے تھے کہ اس روز میرے پاس کرایہ ہوا تو جلسے میں شرکت کروں گا۔ ثانیاً یہ کہ اپنا کھانا ساتھ لاؤں گا۔ آپ

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

حضرات کے ہاں سے صرف سادہ پانی پیوں گا۔ شیخ التفسیر ہی کی یہ خصوصی مقبولیت تھی کہ برصغیر پاک وہند کے دینی مدارس سے سندِ فراغت پانے والے طلبہ دورۂ تفسیر کے لیے لاہور میں حاضری اور شیخ التفسیر سے اکتسابِ فیض کو ترجیح دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زہد وتقویٰ کا پیکر بنایا تھا اسی لیے جب دھوبی آپ کا لباس دھلانے کے بعد استری کر کے پیش کیا کرتا تھا تو شیخ لاہوری دھوبی کے چلے جانے کے بعد وہ کپڑے بالٹی میں ڈال کر اس احتیاط کی خاطر از سر نو دھویا کرتے تھے کہ دھوبی نے جس پانی میں کپڑے دھوئے ہیں مبادا وہ صحیح نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ میں نے چونکہ نمازوں کی امامت کرانا ہوتی ہے اس لیے اطمینانِ قلب کے لیے از سرِ نو دھویا کرتا ہوں۔ غرضیکہ اس نفسِ قدسی کے بہت سے ایمان افروز واقعات کا راقم الحروف عینی شاہد ہے۔ حلال خوری اور حرام سے اجتناب آپ کا معمولِ حیات تھا اور یہ اسی کا ثمرہ تھا کہ جب آپ سفر آخرت پر روانہ ہوئے تو تدفین کے بعد آپ کی قبر کی خوشبو سے سارا قبرستان مہک اُٹھا تھا۔ لوگوں نے قبر کی مٹی کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں مصنوعی عطریات کی قطعاً آمیزش نہیں ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

### مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تنظیم اہلِ سنت والجماعت پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران گرفتار ہو کر ہمارے دیوانی احاطہ میں ہی پابندِ قفس تھے۔ مولانا سیّد نور الحسن شاہ ڈیرہ غازی خان کے باشندے اور تنظیم اہلِ سنت والجماعت کے ترجمان ''تنظیم اہلسنت'' اور پھر ہفت روزہ دعـــــوت لاہور کے ایڈیٹر تھے۔ فاضل دار العلوم دیوبند اور الاصحاب فی الکتاب ،دفاعِ صحابہؓ اور دیگر کتابوں کے مصنف تھے۔ مولانا عبد الشکور لکھنوی سے بھی اکتسابِ علم کیا تھا۔ تنظیم اہلِ سنت کے بانی سردار احمد خاں پتافی قصبہ جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں کے باشندہ تھے۔ اس علاقے کے لغاری اور مزاری خاندان ہی سیاسیات اور دینی اُمور میں اثر انداز تھے۔ لغاری سنی المسلک اور صحیح العقیدہ خاندان ہے۔ اس کی ایک ممتاز شخصیت سردار جمال خاں لغاری جہاں سیاسی اور انتظامی اعتبار سے متحدہ صوبہ پنجاب میں نہایت موثر اور رہر دل عزیز تھے، وہاں اس خاندان کے افراد میں سے محمود خاں لغاری اور دیگر حضرات شیخ الاسلام

## تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

مولانا سیّد حسین احمد مدنی اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہم کے مرید تھے۔ محمود خاں لغاری سے شیخ لاہوری کے ہاں میری ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ سردار محمد خاں لغاری سابق وزیر حکومت پنجاب، سردار فاروق احمد خان لغاری سابق صدرِ مملکت حکومت پاکستان اور سردار عطا محمد خان لغاری سابق کمشنر ملتان ڈویژن اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سردار فاروق احمد خان لغاری شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری اور امیر انجمن خدام الدین کے مرید اور مولانا عبیداللہ سندھی کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھے۔ یاد رہے مولانا سندھی کا تعلق بھی اسی ضلع کے ساتھ تھا۔ اس ضلع ڈیرہ غازی خاں کا دوسرا خاندان مزاری ہے۔

مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری مسلک اہلِ سنت کے اچھے خطیب اور اہلِ قلم تھے۔ تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی وجہ سے عموماً سفر میں رہتے تھے اس لیے اپنے پرچے دعـــوت لاہور کی اشاعت پر خاطر خواہ توجہ نہ دے سکتے تھے، چنانچہ ایک روز سردار احمد خاں پتافی رحمۃ اللہ علیہ مظفر گڑھ میں میری رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ ان دنوں راقم الحروف اور سیّد نور الحسن شاہ صاحب دونوں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں نظر بندی کے بعد لاہور جیل خانے سے رہا ہو چکے تھے۔ سردار احمد خاں صاحب نے ہفت روزہ دعـــوت کی ادارت سنبھالنے کی مجھے دعوت دی۔ چونکہ روزنامہ آزاد کی اشاعت جبراً بند تھی۔ میں نے پتافی صاحب کی دعوت قبول کرتے ہوئے ہفت روزہ دعـــوت لاہور کا نظام سنبھال لیا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد مظفر علی قزلباش پنجاب کے وزیر اعلیٰ مقرر ہو گئے تو ان کی باہمی مسلکی کشمکش پر تنقید اور صحیح اُخوتِ اسلامی کی مخلصانہ دعوت کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

### مولانا ابوالکلام آزادؒ پر جھوٹا الزام اور اس کی تردید:

آغا شورش کاشمیری نے عبدالمجید سالک کی کتاب یـارانِ کہـن'' مکتبہ چٹان سے شائع کی۔ سالک نے اس کے صفحہ ۱۴۱ پر مولانا ابوالکلام آزاد کے زیرِ عنوان لکھا: ''مولانا ابوالکلام آزاد بمبئی میں آغا حشر، ابونصر اور نظیر حسن سخا کے ساتھ عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کیا کرتے تھے اور اپنے اہتمام سے ایک ماہانہ رسالہ البـــلاغ بھی نکالتے تھے۔ مناظروں کے سلسلے میں انھیں مرزا غلام احمد قادیانی کی بعض کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا جن میں آریوں اور عیسائیوں

کے مقابلے میں اسلام کی حمایت کی گئی تھی۔ یاروں کا یہ مجمع ایک دفعہ تو فیصلہ ہی کر چکا تھا کہ پنجاب جائیں اور مرزا صاحب سے ملیں لیکن اتفاقاتِ زمانہ کی وجہ سے یہ فیصلہ عمل میں نہ آ سکا۔ بہر حال مولانا ابوالکلام آزاد مرزا کے دعوائے مسیحیتِ موعود سے تو کوئی سروکار نہ رکھتے تھے لیکن ان کی غیرتِ اسلامی اور حمیتِ دین کے قدردان ضرور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جن دنوں مولانا امرتسر کے اخبار وکیل کی ادارت پر مامور تھے اور مرزا قادیانی کا انتقال انھی دنوں ہوا تو مولانا نے مرزا کی خدماتِ اسلامی پر ایک شاندار شذرہ لکھا۔ امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے۔''

جنوری ۱۹۵۶ء میں اس کتاب کی اشاعت کا سب سے پہلے مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے نوٹس لیا اور ایک کتاب قاضی صاحب نے مجھے عطا فرماتے ہوئے اس بہتان طرازی کا مدلل اور مسکت جواب دینے کی سخت تاکید کی۔ خصوصاً شورش کاشمیری صاحب کی گرفت ہونی چاہیے کہ مکتبۂ چٹان کی طرف سے کتاب کیوں شائع کی گئی ہے؟ کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے جب مندرجہ بالا عبارت میری نگاہ سے گزری تو میں نے اسی وقت ''مولانا ابوالکلام آزاد اور مرزا غلام احمد قادیانی، جناب عبدالمجید سالک کی بہتان طرازیاں'' کے زیرِ عنوان ہفت روزہ دعوت لاہور مورخہ ۶ رفروری ۱۹۵۶ء کے صفحۂ اوّل پر اس کی گرفت کرتے ہوئے لکھا:

جب مرزائیت اپنے عقائد ونظریات اور عزائم ومقاصد کے اعتبار سے شکست کھا چکی اور ہوش مند انسانوں نے مرزائیت کے دامِ تزویر کو اچھی طرح بھانپ لیا تو جناب عبدالمجید سالک، مولانا ابوالکلام آزاد کی شہرت وعظمت کے شفاف تذکرے میں نفوذِ مرزائیت کا فریضہ انجام دینے لگے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے

اللہ! رے اسیریٔ بلبل کا اہتمام
صیاد عطر مَل کے چلا ہے گلاب کا

میں نے اس میں لکھا تھا کہ عبدالمجید سالک چونکہ مرزائی خاندان سے متعلق ہیں۔ ان کے والد کا جب بٹالہ میں انتقال ہوا تھا تو وہاں کے مسلمانوں نے اسے اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جس پر اسے قادیان کے مرزائی قبرستان میں دفن کرنا پڑا تھا۔

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

سالک نے مولانا ابوالکلام آزاد کی ذات پر مرزائیت کا حامی ہونے یا مرزا قادیانی کے جنازے میں شرکت کی بہتان طرازی کر کے ایک بھونڈی جسارت اور مکروہ حرکت کی ہے۔ جبکہ کوئی بھی ذی فہم و شعور شخص مرزا قادیانی کی چند سطور پڑھ لینے کے بعد ذہنی کوفت اور سرگرانی محسوس کرنے لگتا ہے۔ چہ جائیکہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیت نہ صرف مرزا قادیانی کی تحریروں سے متاثر ہو بلکہ اس کے جنازے کے ساتھ قادیان بھی جائے اور اس کی اسلامی خدمات پر اپنے پرچے وکیل میں شذرہ بھی لکھے۔

### کوتاہی کا ازالہ:

مضمون کی اشاعت پر میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ مولانا ابوالکلام آزاد، وزیرِ تعلیم بھارت کی خدمت میں اس کی مطبوعہ کاپی کے ساتھ وضاحت کی خاطر مکتوب بھی ارسال کیا تھا۔ نیز اس کی ایک کاپی جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی خدمت میں بھیجی تھی۔ تاکہ وہ بھی مسئلے کی نزاکت کے پیشِ نظر مولانا ابوالکلام آزاد کی توجہ کتاب یارانِ کہن کے مندرجات کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ مولانا نے اپنے سیکرٹری جناب اجمل خاں کی وساطت سے اس کی فوراً تردید کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ سالک نے بے بنیاد اور خلافِ واقعہ باتیں لکھی ہیں وہ یہ کہ مولانا، مرزا غلام احمد کی کتابوں سے متاثر تھے یا اس کے جنازے کے ساتھ قادیان گئے تھے۔ مناسب ہے کہ وہ خود ہی اس کی تردید کردیں۔ وکیل میں مرزا غلام احمد کی وفات پر جو شذرہ چھپا۔ وہ منشی عبدالمجید کپورتھلوی نے لکھا تھا، مولانا کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔
مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف سے یہ تردید ہفت روزہ چٹان لاہور میں اور ہفت روزہ دعوت کے شمارہ مورخہ ۳۰ فروری ۱۹۵۶ء میں بھی شائع ہوگئی تھی۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ سالک کی یہ کتاب ایسے وقت میں طبع کی گئی کہ جب مولانا ابوالکلام آزاد زندہ تھے۔ خدانخواستہ اگر اس کی طباعت واشاعت کا اور وہ بھی آغا شورش کاشمیری کی زیرِ نگرانی واہتمام مولانا ابوالکلام آزاد کی وفات کے بعد ہوتا تو ہمارے ہاں ایک خطرناک فتنہ جنم لے سکتا تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تردید کے بعد میں نے آغا شورش کاشمیری سے کہا کہ اس کوتاہی کا ازالہ اب کتاب کے اس حصے کی از سرِ نو اشاعت کی صورت میں ممکن ہے۔ نیز اس کی تقسیم اور

فروختگی فوراً بند کر دی جائے اور جن بک اسٹالوں یا کتب خانوں کو کتاب برائے فروخت دی گئی ہے واپس لے لی جائے اور آئندہ محض ''چٹان'' یا ''دعوت'' میں طبع شدہ تحریر پر انحصار کی بجائے کتاب میں حقائق تحریر کیے جائیں۔ اسی دوران دفتر چٹان میں مولانا غلام رسول مہر تشریف لے آئے تو مجھے دیکھتے ہی اس تردیدی مہم پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے اُنھوں نے بھی کتاب کے اس حصے کی ازسرنو اشاعت کی تائید فرمائی اور اپنی کتاب نقشِ آزاد میں اس کا تذکرہ بھی کیا تھا۔

بہرصورت! آغا صاحب نے یارانِ کہن کے دوسرے ایڈیشن میں ابتدائی چند سطور راقم الحروف کی اور مولانا غلام رسول مہر کا مقدمہ شریک اشاعت کر کے کتاب سے کذب آمیز حصہ خارج کر دیا تھا۔ بعدازیں عبدالمجید سالک نے دہلی میں جا کر مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کی کوشش کی تو مولانا نے ملنے سے انکار کر دیا تھا جس پر سالک نے مولانا سے ملنے کی یہ تدبیر کی کہ گھر کے صحن میں کھڑے ہو گئے۔ جب مولانا آزاد اپنے دفتر جانے لگے تو سالک نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ مولانا نے سالک کو دیکھتے ہی غضب ناک لہجے میں فرمایا:

''سالک صاحب! یہ آپ نے کیا حرکت کی؟''

''مولانا! اس کی تو تردید ہو گئی ہے۔'' سالک کے اس جواب پر مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا ''نہیں، اس کا حق ادا نہیں ہوا، جائیے اس کا حق ادا کیجیے۔'' سالک صاحب نے یہ معلومات اپنے ایک خط میں بہاول پور کے ایک دوست کو فراہم کی تھیں، پھر آغا شورش کاشمیری کو بھی اس ملاقات کی صورت اور تلخ حقائق سے آگاہ کیا تھا۔ مولانا سیّد نورالحسن شاہ بخاری کے حوالے سے ان کے پرچے ''دعوت'' میں شائع شدہ ایک تاریخی اور ناقابلِ فراموش واقعے کا تذکرہ ازبس ناگزیر تھا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ تردید کے باوجود بعض مفاد پرست یارانِ کہن کتاب کا پہلا ایڈیشن لے کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کچھ فرقہ بندی کے تحت اور کچھ قادیانیوں کے آلہ کار بن کر اس مسئلے کو اُچھالنے کی سعیِ مذموم کر رہے ہیں۔ ایسے عاقبت نااندیشوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ جس وقت ۱۹۰۸ء کو مرزا قادیانی کی میت لاہوری مرزائیوں کی بلڈنگ واقع برانڈرتھ روڈ لاہور سے کرفیو لگا کر اور انگریز فوجیوں کے مسلح پہرے میں بمشکل لاہور اسٹیشن تک پہنچائی گئی تھی۔ اگر اس وقت بقول سالک (خدانخواستہ)

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

مولانا ابوالکلام آزاد بھی مرزا کے جنازے کے ساتھ ہوتے تو لاہور کے غیرت مند اور جاں نثارانِ ناموسِ رسالت مولانا کی تکہ بوٹی کر دیتے اور زبردست ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔ جبکہ اس وقت علامہ اقبال بھی زندہ تھے۔ (ان کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا) اُنھوں نے اس واقعے پر کیوں چپ سادھ لی تھی؟ نیز مسلم لیگ اور اس کے ہمنوا مولانا آزاد کے خلاف طرح طرح کے الزامات عائد کر کے پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں ان لوگوں نے ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۵۶ء یارانِ کہن کی اشاعت تک کیوں اس جذبات انگیز پہلو پر خاموشی اختیار کیے رکھی؟ اور ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے بعد عبدالمجید سالک کی کتاب کی اشاعت یکا یک مرزا غلام احمد قادیانی کا جنازہ، مولانا ابوالکلام آزاد کی اس میں امرتسر سے آ کر شرکت پھر جنازے کے ساتھ بٹالے تک جانے اور وکیل میں مرزا قادیانی کی حمیتِ اسلامی اور غیرت دینی پر مشتمل شذرہ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی تھی

اس کے پیچھے کارفرما ہے کسی کا دستِ غیب
میرے اظہار صداقت میں نہیں ہے کوئی ریب

## ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء: منکرین ختمِ نبوت کو غیر مسلم قرار دینے کا تاریخی دن

۱- حضرت رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں منکرینِ ختمِ نبوت کے خلاف جہاد کا حکم دیا تھا۔ جس کی تعمیل امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

۲- بھٹو دور کی قومی اسمبلی نے اُمتِ مسلمہ اور علامہ اقبال کا مطالبہ تسلیم کرنے کا تاریخی فیصلہ کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر دینِ اسلام مکمل کر کے اپنی تمام نعمتیں پوری کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ کو آخری نبی و رسول، قرآن کریم کو آخری آسمانی کتاب، دینِ اسلام کو آخری دین اور اُمتِ مسلمہ کو آخری اُمت قرار دیا ہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں نازل شدہ قرآن کریم کی آخری آیتِ کریمہ اور آخری وحی کے مطابق حضرت رسول اللہ ﷺ نے تکمیل دین کی اُمت کو تعلیم دی اور یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت جب یمامہ کے علاقے میں تکمیل دین اور عقیدہ ختمِ نبوت کے خلاف فتنہ انکارِ ختمِ نبوت رونما ہونے لگا اور مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے اسلامی تعلیمات کے خلاف سرگرمیوں کا

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

آغاز کیا تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف کسی قسم کے بحث ومباحثے اور مناظرے کا اہتمام نہیں کیا تھا، نہ ہی مباہلے اور چیلنج کا کوئی طریقہ اختیار کیا گیا تھا بلکہ اس فتنے کی خبر ملتے ہی جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایک نوجوان صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسیلمہ کے خلاف لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔ جسے حضور ﷺ کے وصال کے بعد پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روانہ کیا اور مجاہدین کے اس لشکر کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم الوداع کہنے کے لیے ساتھ تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے مجاہدین ساتھیوں کی مدد اور تعاون کے ساتھ پوری ہمت اور شجاعت کے ساتھ مسیلمہ کذاب سمیت منکرینِ ختمِ نبوت کو جہنم واصل کر کے اس فتنے کا سدباب کیا تھا اور اس معرکۃ الآرا اقدام میں سات سو حافظ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش کر کے تکمیلِ دین وعقیدۂ ختمِ نبوت پر کوئی آنچ نہ آنے دی تھی۔ بعدازاں مختلف ادوار میں جب بھی غیر مسلموں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے تحت کسی نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعوے دار بن کر اُمتِ مسلمہ میں فتنہ گری کی سعیِ مذموم کی تو منکرینِ ختمِ نبوت کی سرکوبی کے لیے قطعاً کسی تساہل اور غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ ایران میں اُٹھنے والے مدعیٔ نبوت محمد علی باب اور بہاءُ اللہ کے بابی اور بہائی فتنوں کے بانیوں کے سر قلم کر کے ان کے پیروکار قید و بند میں جکڑے گئے یا ملک بدر کر دیے گئے تھے۔ نتیجتاً ایک مدت تک کسی کو اسلام کے متفقہ اور مسلّمہ عقیدۂ ختمِ نبوت کا تقدس اور اس کی عظمت کے خلاف کسی قسم کی جسارت نہ ہو سکی۔ تا آنکہ برصغیر میں جب مسلم حکومت (مغلیہ سلطنت) کو فرنگی سامراج نے تاخت وتاراج کر کے اپنی گرفت مضبوط کر لی تو برطانوی غاصب حکمرانوں کے خلاف علمائے ہند کی تحریکِ جہاد پریشان کن بھی تھی اور انگریز اس سے خائف بھی۔ چنانچہ برطانوی حکومت نے قادیان ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب میں ایک ایسا جھوٹا اور جعلی نبی تیار کیا جو انگریز حکومت کو اللہ کی رحمت قرار دیتا اور جہاد کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیتا تھا۔ اس کا نام مرزا غلام احمد اور اس کے پیروکار قادیانی کہلاتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف یہ کہ عقیدۂ ختمِ نبوت کا انکار کرتے ہوئے اسلام میں نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے اپنے نئے عقائد ونظریات کی برملا

تبلیغ کی بلکہ اپنے لٹریچر میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

''قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ میں جہاں جہاں محمد رسول اللہ (ﷺ) کا تذکرہ اور نام آیا ہے اس سے مراد میں ہوں اور میں وہی محمد رسول اللہ ہوں جو مکہ میں آیا، جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔'' (نعوذ باللہ) (بحوالہ: ایک غلطی کا ازالہ)

غرضیکہ ایسے گستاخانہ اور توہین آمیز نظریات کو پروان چڑھانے کے لیے برطانوی حکمرانوں نے اسے اور اس کی جماعت قادیانیہ کو مکمل تحفظ فراہم کیا اور اس کے پیروکاروں کے لیے حکومت میں ملازمت اور دیگر وسائل و ذرائع بے دریغ فراہم کیے گئے تھے۔

برصغیر میں مرزائیوں اور قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور اُمتِ مسلمہ کے خلاف ان کی خطرناک سازشوں کے پیشِ نظر علمائے کرام اور دینی جماعتیں تو زبان و بیان اور تحریر و تقریر کے ذریعے لوگوں کو اس فتنے سے متنبہ کرتی رہیں اور علمائے لدھیانہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑہ شریف، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا کرم دین بھیں چکوال، پروفیسر محمد الیاس برنی اور دیگر شخصیات نے انفرادی طور پر جبکہ چودھری افضل حق اور امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہم کی جماعت مجلس احرارِ اسلام جماعتی صورت میں فتنہ انکارِ ختمِ نبوت اور نبوتِ کاذبہ کے مکروہ خدوخال اور خطرناک سیاسی عزائم سے خبردار کرتی رہی ہے۔ اس محاذ پر شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی تحریر نے جو کہ نہرو کے خط کے جواب میں ہے] حرفِ اقبال میں اور اپنے منظوم کلام میں قادیانی فتنے کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ خصوصی طور سے مطالعہ کے لائق ہے۔ نیز علامہ اقبال نے پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک خط کے جواب میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

''قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔'' [نہرو کے نام خط]

علاوہ ازیں برصغیر کے دینی اور ملی رہنماؤں میں سے علامہ اقبال وہ نمایاں شخصیت ہیں جنھوں نے قادیانی فتنے کو کاشت کرنے والی برٹش ایمپائر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مرزائی چونکہ انکار ختمِ نبوت کی وجہ سے غیر مسلم ہیں لہٰذا انھیں بھی غیر مسلم اقلیتوں میں شامل کیا جائے۔

## تحریکِ قیامِ پاکستان اور قادیان کو بھارت میں رکھنے کا مقصد

۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات اور حصولِ

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

آزادی کی جتنی تحریکیں بروئے کار آئی ہیں ان سب میں برطانوی حکمرانوں کے ایجنٹوں اور ان کے مفادات کا تحفظ کرنے والے ان مرزائیوں قادیانیوں نے نہایت گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ حتیٰ کہ تحریکِ قیامِ پاکستان کے آخری مرحلے میں جب مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر علاقائی تقسیم کی نوبت آئی تو پنجاب کا ضلع گورداسپور ابتدائی مردم شماری میں مسلم اکثریت کی بنا پر پاکستان میں شامل کیا گیا تھا اور اخبارات میں اس کا اعلان بھی ہو گیا تھا۔ مرزائی قادیانیوں نے اپنے مرکز قادیان اور کشمیر کے جنت نظیر حصے سری نگر اور جموں کو بھارتی علاقے میں شامل کرانے کے لیے ریڈ کلف ایوارڈ کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے والے چونکہ مسلمانوں سے ایک الگ یونٹ ہیں اس لیے ضلع گورداسپور کی از سرِ نو گنتی کی جائے چنانچہ قادیانیوں کی سازش کامیاب ہو گئی اور ضلع گورداسپور غیر مسلم اکثریت کا علاقہ قرار دے کر پاکستان کی بجائے بھارت میں شامل کر دیا گیا۔ نتیجتاً کشمیر کا مسئلہ رُونما ہو گیا کہ یہ علاقہ بھارت میں شامل ہو یا پاکستان میں؟ مرزائیوں کی طرف سے قادیان کو بھارت میں شامل رکھنے کا موقف اس خطرے کے پیشِ نظر تھا کہ اگر قادیان اسلامی مملکت پاکستان میں شامل ہو گیا تو اُمتِ مسلمہ زبردست مخالفت اور علامہ اقبال کے مطالبۂ غیر مسلم اقلیت کی وجہ سے کسی وقت بھی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے کی بنا پر انھیں ضرور غیر مسلم قرار دے دیا جائے گا اور ایک اسلامی مملکت میں جھوٹے نبی کی قبر کا وجود ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ مرزائیوں نے اپنے انگریز مربیوں اور سرپرستوں سے ساز باز کر کے ''قادیان'' کو بھارت میں رکھنے کے لیے ضلع گورداسپور پاکستان سے الگ کرا دیا تھا۔

طرفہ یہ کہ مشرقی پنجاب سے جب تمام مسلمانوں کو بزورِ شمشیر ترکِ وطن کرا کے پاکستان کی جانب ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا تو پورے مشرقی پنجاب میں صرف قادیان ہی ایسا شہر ہے جہاں پر اب بھی مرزائی رہائش پذیر ہیں اور اُنھوں نے بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں میں اپنے مراکز قائم کر رکھے ہیں (قادیان اور چناب نگر) جبکہ اُمتِ مسلمہ کی جلیل القدر دینی، علمی اور رُوحانی شخصیت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے شہر سرہند میں عرس کے دنوں کے علاوہ کسی کو بھی مستقل طور پر وہاں مسلم آبادی قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مسلم مملکت پاکستان کا دستور مرتب کرنے کے لیے ملک کے دوسرے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے بنیادی اُصول وضع کرنے کی

خاطر ایک کمیٹی مقرر کی تھی، جس نے اپنی دستوری سفارشات میں پاکستان کے سربراہ مملکت کے لیے مسلمان ہونا لازم قرار دیا تھا۔

ان دنوں چونکہ مسلم لیگی حکمران پاکستان کے کسی کلیدی عہدے کے لیے ''مسلم اور غیر مسلم'' کا فرق وامتیاز ملحوظ نہیں رکھتے تھے جس کا واضح ثبوت پاکستان کی وزارتِ قانون پر ایک غیر مسلم جوگندر ناتھ منڈل کو متمکن کیا گیا تھا اور وزارتِ خارجہ کے اہم کلیدی عہدہ پر مرزائی وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ خاں کے سپرد کر رکھا تھا۔ حتیٰ کہ مسلم لیگی حکمران مرزائیوں (قادیانیوں) کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے تھے۔ اس غلط پالیسی کے تحت قیامِ پاکستان کے ابتدائی دنوں میں مرزائیوں حتیٰ کہ سر ظفر اللہ کو حج کے موقع پر سرزمین مقدس کے حدود حرم شریف میں داخلے کی اجازت دی گئی تھی تو یہ پاکستانی حجاج کرام کی غیرتِ اسلامی لائق صد تحسین ہے کہ اُنھوں نے احرام کی حالت میں سر ظفر اللہ مرزائی کو جب منیٰ میں شاہی مہمان کی حیثیت سے دیکھا تو سخت احتجاج کرتے ہوئے سعودی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک منکرِ ختمِ نبوت مرتد کو حدودِ حرم سے نکال باہر کریں۔ اس کے بعد حکومت سعودیہ نے قادیانیوں کے عقائد ونظریات کی بابت مکمل معلومات حاصل کی تھیں اور القادیانی والقادیانیة کے زیرِ عنوان ایک کتاب بھی شائع کرائی گئی تھی۔ بہر نوع ان ناگفتنی حالات کے پیشِ نظر مشرقی اور مغربی پاکستان کے ممتاز علمائے کرام، دینی رہنماؤں، مشائخ عظام اور مسلم لیگ سمیت اسلامی فکر ونظر کی حامل شخصیات نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ بنیادی اُصولوں کی کمیٹی کی دستوری سفارشات کے مطابق دستور میں مسلمان کی تعریف اور تشریح واضح طور پر درج کی جائے تاکہ کوئی غیر مسلم اسلام کے نام سے مسلمانوں کا نمایندہ اور صدرِ مملکت کا عہدہ دار نہ بن سکے۔ نیز اسلامی مملکت پاکستان میں منکرینِ ختمِ نبوت کو اُمتِ مسلمہ کے اجتماعی عقیدے اور فیصلے بالخصوص علامہ اقبال کے مطالبے کے مطابق قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہوئے سر ظفر اللہ سمیت تمام مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹادیا جائے۔

غرضیکہ عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے تمام دینی طبقوں کی جانب سے مطالبات کا تسلسل جاری رہا تا آنکہ ۱۹۷۳ء میں جب پاکستان کو پہلا متفقہ اسلامی دستور منظور ہوا تو اس میں

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

عقیدۂ ختمِ نبوت کے اجتماعی عقیدے کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔ اس کے مطابق ۱۹۷۴ء میں منکرینِ ختمِ نبوت اور قادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے قومی اسمبلی میں تحریک پیش ہوئی جس پر بھٹو حکومت نے مسلمانوں کے نمایندہ علما ومشائخ اور قادیانیوں کے مرکزی رہنما مرزا طاہر کو اپنا موقف اور اپنے عقاید ونظریات واضح کرنے کی دعوت دی گئی تا کہ کوئی یہ شکوہ نہ کر سکے کہ ہمیں اپنی پوزیشن اور اپنا موقف صحیح طور پر پیش کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ علمائے کرام اور قادیانیوں کے نمائندوں نے تیرہ دن تک پوری تسلی کے ساتھ اپنے اپنے موقف اور عقائد کی وضاحت کی تھی جو ملک کے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نشر ہوتے رہے ہیں۔ مرزائیوں کے نمائندوں نے اعتراف کیا کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور مجدد مانتے ہیں اور ان کے عقائد ونظریات مسلمانوں سے مختلف ہیں چنانچہ قادیانیوں کو موقف معلوم کر کے قومی اسمبلی کے معزز اراکین نے ستمبر ۱۹۷۴ء کو اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ کے بعد جھوٹی نبوت کا دعوٰی اور اعلان کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کو اور اس پر کسی طور پر بھی ایمان لانے والوں کو غیر مسلم قرار دینے کا قانون منظور کرتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کے اجماعی عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کی سعادت حاصل کی۔

قومی اسمبلی کے اس تاریخی فیصلے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی سے خطاب کے دوران کہا تھا کہ یہ فیصلہ میرا ذاتی نہیں بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی اور رسول تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی ذات کے بعد جو بھی نبوت ورسالتؐ کا دعوٰی کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ علامہ اقبال، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مودودی، پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑہ شریف اور تمام مسالک اور مکاتبِ فکر کے علما ومشائخ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو نبی یا امام مہدی ماننے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینے کے لیے انگریزی دورِ حکومت سے تحریک شروع کر رکھی تھی اسے تسلیم کر لیا گیا ہے اور خود قادیانی مرزائی بھی مسلمانوں کو نہ تو مسلمان سمجھتے، نہ مسلمانوں کے ساتھ نکاح کرنے نہ ان کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سر ظفر اللہ خاں نے وزیر خارجہ ہونے کے باوجود اپنے محسن بانیِ پاکستان کا جنازہ نہیں پڑھا تھا بلکہ جنازے

سے ہٹ کر غیر مسلم سفیروں اور وزیروں کی صف میں شامل ہو کر کھڑا رہا تھا۔ قومی اسمبلی میں نے اُمت کا دیرینہ مطالبہ تسلیم کر کے ایک تاریخی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کا آخری نبی ورسول ﷺ اور ساری دنیا کے مسلمان خوش ہوئے ہیں اور فیصلے کا زبردست خیر مقدم کیا گیا ہے۔ نیز دنیا کے اسلامی ممالک سعودی عرب، شام سوڈان مصر اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی قادیانیوں کے خلاف قانون بنا چکے ہیں۔ ۷ر ستمبر ایک تاریخ ساز دن اور وحدت اُمت کے حوالے سے لازوال واقعہ ہے۔

## جیل میں کھیل:

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ لاہور سینٹرل جیل کے جن واقعات کا ذکر ہو رہا ہے یہ اس جگہ پر واقع تھی جہاں آج شادمان کالونی آباد ہے۔ اس جیل کے در و دیوار نے برصغیر پاک و ہند کی تحریکاتِ آزادی کی ہمہ گیری کا بھی مشاہدہ کیا ہے اور انگریزی حکومت (برطانوی سامراج) کے ظالم و جابر حکمرانوں کا تختۂ مشقِ ستم بنتے اور دار و رسن کے ساتھ لٹکتے جاں نثاروں کی لاشیں بھی دیکھی ہیں۔ ظلم و جور کی کیسی کیسی داستانیں ہوں گی جو شادمان کالونی کے خوشنما اور ائیر کنڈیشنڈ بنگلوں کی بنیادوں میں دفن ہیں۔ ان میں ضرور وہ پرانے درخت موجود ہیں جن کے سائے میں بے شمار عظیم شخصیات نے ٹھنڈی سانس لی ہوگی اور چند لمحے بیٹھ کر برطانوی غاصبوں کی غلامی سے نجات پانے کے منصوبے تیار کیے ہوں گے۔ ہندو چونکہ اپنے قومی ہیروؤں اور محسنوں کے قدردان تھے۔ اس لیے جونہی موقع ملا تو متحدہ پنجاب کے وزیر جیل خانہ جات بھیم سین سچر نے بھگت سنگھ کی یاد میں خوبصورت بم کیس وارڈ تعمیر کرایا تھا لیکن صد افسوس کہ فرنگی استبداد سے نجات پانے اور ان کے ظالمانہ حقوقِ غلامی سے چھٹکارے کے بعد پاکستانی اربابِ اقتدار اور مسلمان راہنماؤں نے لاہور سینٹرل جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مسلمان یا کم از کم مسلم لیگی رہنماؤں کی خدمات اور ان کی عظیم الشان کارناموں کی یاد میں کچھ تو کیا ہوتا؟ کوئی یادگار ہی تعمیر کی گئی ہوتی جسے دیکھ کر تحریکِ آزادی کے نقوش روشن ہو جاتے۔ مجھے جب بھی لاہور سینٹرل جیل روڈ سے گزرنے کا موقع ملتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے مفادات کے تحفظ کی خاطر تختۂ دار پر لٹکتے راہنما اور کارکن آخری ہچکی لیتے وقت اُنگلی کے اشارے سے مجھے کہہ رہے ہوں۔

پاداشِ حق میں ہوگئے ہم دار پر بھی سرفراز
شادماں تم رہ سکو گے جب بنو گے راست باز

دارورسن کے حوالے سے یہ سطور لکھتے وقت مجھے برصغیر پاک وہند کے ممتاز صحافی اور شعلہ نوا مقرر مولانا ظفر علی خاں بانی روزنامہ زمیندار لاہور کے فرزند ارجمند مولانا اختر علی خاں چیف ایڈیٹر روزنامہ زمیندار لاہور کی دردناک یاد تازہ ہوگئی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران ۲۸ فروری کو مرکزی حکومت نے کراچی میں حکومت سے مذاکرات کی خاطر قیام پذیر شخصیات مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صدر مجلسِ عمل آل مسلم پارٹیز، مولانا عبدالحامد بدایونی بانی صدر جمعیۃ علمائے پاکستان، امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ، ماسٹر تاج الدین انصاری (رحمۃ اللہ علیہم) صدر مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان اور دیگر قائدین تحریک کو گرفتار کرلیا۔ اسی روز حکومت پنجاب نے روزنامہ زمیندار اور روزنامہ آزاد لاہور کو ایک سال کے لیے جبراً بند کردیا اور ان اخبارات کے ایڈیٹر مولانا اختر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور راقم الحروف کو بھی سیفٹی ایکٹ کے تحت ایک سال کے لیے گرفتار کرنے کے احکام جاری کردیے تھے۔ علاوہ ازیں مولانا غلام غوث ہزاروی اور مسلم لیگ کے مولانا عبدالستار نیازی رکن پنجاب اسمبلی کو بھی گرفتار کرنے کا حکم تھا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی تو تحریک کے دوران حکومت کے ہاتھ نہ آسکے البتہ مولانا عبدالستار نیازی کو قصور سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔

مولانا اختر علی خاں اس تحریک کے دوران اپنے والد ماجد مولانا ظفر علی خاں کی نمائندگی کا حق ادا کررہے تھے اور مجلسِ عمل کے خزانچی تھے۔ مولانا ظفر علی خاں ان دنوں سخت بیمار تھے اور ان کی بینائی تقریباً ختم ہوچکی تھی۔ اس کے باوجود وہ دہلی دروازے کے باغ احرار پارک لاہور کے ایک عظیم الشان اجتماع میں تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف نے اسٹیج سیکرٹری کی حیثیت سے امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب کا اعلان کیا ہی تھا کہ جلسہ گاہ کے باہر ایک کار آ کر رکی۔ مولانا اختر علی خاں نے اس کا دروازہ کھولا اور اپنے والد ماجد کا ہاتھ تھام کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ اسٹیج کی جانب لائے۔ میں نے ''مولانا ظفر علی خاں زندہ باد'' کا نعرہ لگایا تو پورے مجمع نے کھڑے ہوکر مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال کیا اور فلک شگاف نعرے لگائے۔

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر تشریف لائے تو امیرِ شریعت نے آگے بڑھ کر مولانا کا استقبال کر کے ان کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر فرمایا: ''مولانا! آپ نے اس بیماری اور پیرانہ سالی کے باوجود تحفظ ختمِ نبوت کے اس عظیم الشان اجتماع کو رونق بخشی۔'' مولانا نے فرمایا: ''شاہ جی! یہ تو میرے دین وایمان اور عشقِ رسول اللہ ﷺ کا مسئلہ ہے۔ ایسے ایمان افروز موقع سے میں کیسے دامن کش رہ سکتا تھا؟'' شاہ صاحب نے مولانا سے کچھ فرمانے کی فرمائش کی تو مولانا اختر علی خاں اور راقم فقیر نے مولانا کو لاؤڈ اسپیکر کے سامنے کھڑا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنے رعشہ زدہ ہاتھوں کو زوردار طریقے سے ہلاتے ہوئے اپنا تاریخی شعر پڑھا ؎

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اس شعر کو سنتے ہی مجمع سراپا داد بن گیا اور مولانا ظفر علی خاں زندہ باد کے نعروں سے لاہور کے در و دیوار گونج رہے تھے۔ پھر امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ستارۂ صبح'' سے لے کر اخبار زمیندار تک جس انداز سے آپ نے قوم کی رہنمائی کی اور ملتِ اسلامیہ کی مُردہ رگوں میں ایمان وایقان کا خون دوڑایا اور عشق ومحبت رسول ﷺ کے اس گلشن کی آبیاری کی ہے، یہ اسی کا ثمرہ ہے کہ آج پوری اُمت تحفظِ ختمِ نبوت ورسالت ﷺ کی خاطر مستعد اور جذبۂ جاں نثاری کے ساتھ صف آرا ہے۔'' امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے اس تاریخی خطاب کے بعد جب تحریک کا آغاز ہوا تو دیگر راہنماؤں کے ساتھ مولانا اختر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو بھی گرفتار کر کے لاہور سینٹرل جیل کے احاطے میں قید کر دیا گیا تھا۔

لاہور سینٹرل جیل کے چند مشہور احاطے یہ تھے: دیوانی احاطہ، بم کیس وارڈ، سیاست خانہ، ہسپتال وارڈ وغیرہ..... نیز عام قیدیوں کے لیے مختلف وارڈ اور احاطے موجود تھے۔ دیگر وارڈوں کے قیدیوں کی بابت تو ان شاء اللہ آگے تذکرہ آئے گا۔ ہمارے احاطے کی شخصیات کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ دیوانی احاطے میں زیادہ تر بزرگ اور مرکزی قائدین موجود تھے۔ ایک روز

میں نے ان بزرگوں کو دیکھا کہ یکجا "متفکرانہ" طور پر محوِ گفتگو ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ نہ معلوم اس جیل میں ہم کب تک محبوس رہیں گے؟ یہ مشائخ عظام اگر ہمہ وقت اس انداز میں تحریک کی کامیابی کے لیے متفکر رہے جو ان کی عظمت شان کا تقاضا بھی تھا تو رفتہ رفتہ ان بزرگوں کی صحت ضرور متاثر ہوگی۔ اس لیے ان حضرات کی صحت کے پیشِ نظر چند لمحے خوش طبعی کی خاطر بھی مخصوص ہونے چاہییں۔ اس فکر مندی کے ساتھ میں نے امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رازدارانہ انداز میں عرض کیا کہ آپ ذرا اس گراؤنڈ میں تشریف لائیں تو مہربانی اور شفقت! شاہ جی نے فرمایا: بتاؤ کیا بات ہے؟ میں نے پھر عرض کیا: ذرا تشریف تو لایئے۔ اتنے میں رومال کو گول کر کے اس کی گیند بنائی اور شاہ جی کی جانب پھینکتے ہوئے کھیل کا آغاز کیا۔ شاہ جی نے بھی مسکراتے ہوئے وہ گیند میری جانب پھینکی تو ہم نے فیصلہ کرلیا کہ اس سے اچھا خاصا کھیل کھیلا جاسکتا ہے۔ میں نے تمام بزرگوں کی خدمت میں درخواست کی کہ آج سے نمازِ عصر کے بعد سب حضرات کے لیے گراؤنڈ میں کھیل لازم قرار پایا ہے اور کوئی بزرگ بھی مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

اس پر مولانا سیّد ابوالحسنات نے اپنے پاؤں کی تکلیف اور شیخ حسام الدین نے گھٹنے کے درد کا ذکر کرتے ہوئے معذرت کی۔ چنانچہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل جناب ممتاز حسین صاحب کی معرفت "والی بال اور بیڈمنٹن" کا سامان ہمارے احاطے میں پہنچ گیا اور دو ٹیمیں بن گئی تھیں۔ ایک جانب شاہ جی، مولانا محمد علی جالندھری، سیّد نورالحسن شاہ بخاری، مولانا محمد حیات، عبدالغفور انوری اور سائیں محمد حیات تھے۔ دوسری جانب مولانا عبدالحامد بدایونی، ماسٹر تاج الدین انصاری، سیّد سبطِ حسن، مولانا لال حسین اختر، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن (رحمۃ اللہ علیہم) اور راقم الحروف تھے۔ ہمارے اس پروگرام کی اطلاع جب بم کیس وارڈ میں پہنچی تو وہاں بھی ایک ٹیم تیار ہوگئی جس میں جماعتِ اسلامی کے راہنماؤں کی اکثریت تھی جن میں سے مولانا امین احسن اصلاحی، میاں محمد طفیل، ملک غلام علی، مولانا کوثر نیازی، شیخ فقیر حسین، نعیم صدیقی، عبدالوحید خاں اور چراغ الدین کے نام خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ ایک روز ہماری ٹیموں کا بھی باہم میچ ہوا تھا۔

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

بہر حال اس کھیل کا حوالہ اس لیے دیا گیا ہے کہ ایک دن ہم کھیل میں مصروف تھے کہ اس دوران مولانا اختر علی خاں بغرضِ ملاقات تشریف لے آئے۔ اُنھوں نے ہمیں دیکھ کر شاہ جی سے مخاطب ہو کر کہا: ''شاہ جی! خدا کے لیے مجھے شاہی احاطے سے نکال کر یہاں اپنے ساتھ شامل کر لیجیے۔''

ماسٹر تاج الدین انصاری نے فرمایا: ''مولانا! آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ تو اربابِ جیل کے رحم و کرم پر ہیں کسی قیدی کو دوسرے وارڈ میں منتقل کرنے کے اختیارات انھی کے پاس ہیں۔ اگر آئی جی ''پرزنرز (Prisoners)'' اور سپرنٹنڈنٹ جیل اجازت دے دیں تو ''چشمِ ماروشن دلِ ماشاد'' اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے، یہ تو ہماری خوش بختی ہو گی۔ شاہ جی نے دریافت کیا: مولانا! وہاں آپ کو کیا تکلیف ہے؟'' مولانا اختر علی خاں نے اپنے رعشہ زدہ ہاتھوں کے اشارات کے ساتھ فرمایا: ''شاہ جی! میرا شاہی احاطہ، پھانسی خانے سے متصل ہے۔ حکومت نے پنجاب کی مختلف جیلوں میں پھانسی کی سزا پانے والے قیدی یہاں جمع کر دیے ہیں۔ رات کے آخری حصے میں جب کسی کو تختۂ دار پر لٹکانا ہوتا ہے تو اسے کال کوٹھڑی سے باہر نکال کر پھانسی خانے کی جانب لاتے وقت اس کی حالت قابلِ رحم اور ناقابلِ بیان ہوتی ہے۔ وہ مختلف نعرے لگاتا ہوا یا بلند آواز کے ساتھ کلمۂ طیبہ پڑھتا ہوا آتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز مدہم پڑ جاتی ہے۔ رات کے سناٹے میں اس کی ہلکی سی آواز بھی اور اس کے ساتھ آنے والوں کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی دیتی ہے۔ جب وہ تختۂ دار کے بالکل قریب لایا جاتا ہے تو یکا یک زوردار لہجے اور بلند آواز کے ساتھ پھر کلمہ طیبہ پڑھنے یا نعروں کی آواز گونجنے لگتی ہے۔ اس کے آخری مرحلے میں جیل کے مختلف وارڈوں کے قیدی بھی آوازیں سن کر نیند سے بیدار ہو کر بلند آواز سے اس کے لیے دعائیں کرنے اور کلمہ شریف کا ورد کرنے لگتے ہیں۔ پھر تختۂ دار پر کھڑا کرتے وقت مجسٹریٹ پھانسی والے کو وصیت اور کلمۂ طیبہ پڑھنے کی تلقین کیا کرتا ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

مولانا اختر علی خاں نے بتایا کہ رات کے سناٹے میں پھانسی کی حرکات و سکنات اور آوازیں سب سنائی دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ مجسٹریٹ تختۂ دار کا لیور گھمانے کا حکم دیتا ہے تو کھڑاک کے ساتھ تختۂ دار پر لٹکنے والے کی دردناک چیخ کے ساتھ مجھ پر جو گزرتی ہے کیا بیان کروں؟ شاہ جی!

میں روزانہ مرتا ہوں، روزانہ میری گردن کا جوڑ ٹوٹتا ہے، پھانسی پانے والے کے ساتھ مجھے بھی وہی اذیت دی جاتی ہے۔ یہ احاطہ تو میرے لیے ایک عذاب ہے نہ معلوم کب اس سے چھٹکارا ملے گا؟

بہر نوع...... روزنامہ زمیندار کے چیف ایڈیٹر مولانا اختر علی خاں کے ساتھ جو کرب ناک مسئلہ تھا، اس کی دردناک تفصیل سن کر ہم سب افسردہ بھی تھے اور بے بس بھی۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ مولانا اختر علی خاں کو ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا ہے پھر ان کی رہائی کی صحیح خبر معلوم نہیں ہو سکی۔

برصغیر کے بڑے مسلم اخبار زمیندار کے نامور اور ممتاز و منفرد شخصیت مولانا ظفر علی خاں کے فرزندِ ارجمند مولانا اختر علی خاں کے ساتھ یہ ہولناک سلوک کسی سیاسی اختلاف کی بنا پر نہیں تھا بلکہ صرف اس لیے کہ ان کا اخبار عقیدۂ ختمِ نبوت کا داعی، ناموسِ رسالت ﷺ کا محافظ اور برطانیہ کے خودکاشتہ پودے کی جڑ کاٹنے کے لیے تیز دھار آلے کی مانند اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔

## سیاست خانے کی تلخیاں

لاہور سینٹرل جیل کے مختلف وارڈوں اور احاطوں میں قید چند عظیم شخصیات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ دیگر حضرات کے ذکرِ خیر سے پہلے ایک اور تاریخی احاطے کا حوالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جیل کی اصطلاحات بھی عجیب ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ سیاست خانہ اس احاطے کا نام ہے جس میں سیاسی قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ''دیوانی احاطے'' میں ان لوگوں کو پابند کیا جاتا تھا جن کے خلاف دیوانی مقدمات زیرِ سماعت ہوتے تھے مگر جیل میں ''سیاست خانہ'' اس احاطے کا نام تھا جس میں ان قیدیوں کو رکھا جاتا تھا جنھوں نے جیل کے اندر کسی قسم کا جرم کیا ہو۔ گویا وہ ''جیل کی جیل'' تھی لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے کہ اس میں تحریکِ ختمِ نبوت کے قائدین، نامور علمائے کرام، سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو محبوس کیا گیا تھا۔ سیاست خانے کی کوٹھڑیاں تنگ و تاریک تھیں۔ قضائے حاجت وغیرہ کے لیے ہر کوٹھڑی میں سوراخ کر کے لوہے کا ایک پاٹ رکھا گیا تھا۔ اسی میں پیشاب وغیرہ کر کے سوراخ میں سے نکاسی کا انتظام تھا۔ ہر کوٹھڑی میں صرف لوہے کی سلاخوں کے دروازے تھے۔ ان میں برابر صرف دو آدمی بمشکل لیٹ سکتے تھے۔ ان میں

ایسی کوٹھڑیاں بھی تھیں جن میں روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ محض ساتھ والے حصے کے بلب کی روشنی سے ہی گزارا کیا جاتا تھا۔ مزید برآں یہ کہ اکثر میں کیڑے مکوڑوں کی بلیں تھیں جن کے باعث دن ہو یا رات، ٹھہرنا دشوار اور اذیت ناک تھا۔ تحریکِ ختمِ نبوت کے قیدیوں کے ساتھ عام اخلاقی مجرموں (چوروں، ڈاکوؤں اور بدمعاشوں) کو رکھا جاتا تھا۔ گرفتاری کے بعد مجھے بھی اپنے رفقا کے ساتھ لاہور سینٹرل جیل میں پہنچایا گیا اور اس سیاست خانے کی ایک کوٹھڑی میں قید کیا گیا تھا۔

میرے ساتھ مظفر گڑھ مسلم لیگ کے ضلعی صدر مظفر علی حصاروی، حکیم نور محمد، فضل محمد عرف فضلا حصاروی اور دیگر حضرات محبوس تھے۔ رات بڑی تکلیف سے گزری۔ صبح جب نماز کے لیے کوٹھڑیوں سے باہر نکالا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ساتھ والی کوٹھڑی سے ملحقہ ''بندی خانے'' سے ملک کے نامور علمائے کرام مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا غلام محمد ترنم (رحمۃ اللہ علیہم) باہر تشریف لا رہے ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی پُرتپاک سلام و معانقہ ہوا۔ خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد باجماعت نمازوں کا اہتمام کیا گیا۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں چند دن مشکل سے گزارے گئے تھے۔ اسی دوران میری کوٹھڑی کے بالکل سامنے والی دوسری جانب واقع کوٹھڑی میں قید شوکت نامی ڈاکو کو دوپہر کے وقت ہمارے سیاست خانے کے نگران ''مرزا مچھل'' نے اپنی پیٹی سے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ نمازِ ظہر کے وقت جب ہم کوٹھڑیوں سے باہر نکلے تو میں نے اپنی چائے سے بچے ہوئے دودھ کی پتلی لسی بنا کر گلاس کے ذریعے دروازوں کے سوراخوں سے شوکت ڈاکو کو پیش کی۔ میری بلند آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور کپکپاتے ہاتھوں سے لسی کا گلاس لے کر پی لیا۔ نمازِ ظہر کے بعد حسبِ معمول ہم اپنی کوٹھڑیوں میں چلے گئے کہ ''مرزا مچھل'' کو کسی نے اطلاع دے دی کہ شوکت ڈاکو کو اس نے کچھ پلایا ہے۔ میرے خیال میں ان تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جیل نگران نے اپنے مخبر بھی بند کر رکھے تھے تا کہ قیدیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کی جا سکے۔

بہر نوع مرزا مچھل نے میری کوٹھڑی کے دروازے پہ دھمکی آمیز لہجے میں کہا:

''او! صوفیا! ایہہ شوکت ڈاکو نوں گلاس وچ کی دِتا سی؟'' (او ئے صوفی! یہ شوکت ڈاکو کو گلاس میں کیا دیا تھا؟)

میں نے کہا: "کون شوکت ڈاکو؟"

"آپ نے تو مجھے نماز ظہر سے پہلے اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو گیا تھا اور میں نے ہی گلاس میں لسی پی تھی۔ تا کہ ہوش میں آ جاؤں۔" یہ جملے میں نے اس قدر بلند آواز کے ساتھ ادا کیے تھے کہ سیاست خانے کے ایک ایک قیدی نے سن کر حیرت کا اظہار کیا تھا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہم عصر کے وقت باہر آئے تو اُنھوں نے بھی میری آواز سن کر دریافت کیا کہ آپ کو کس نے مارا تھا؟ میں نے مرزا مچھل کا نام لیا۔ اس پر مرزا صاحب کے خلاف قیدیوں میں زبردست چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ جبکہ مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ کو صورتِ حال سے مطلع کر دیا گیا تھا کہ وہ ہمیں نفسیاتی طور پر خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔ مرزا مچھل، جیل خانے میں ایک ایسا شخص تھا جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ایسی صورت میں جیل کے نگران اس شخص کی قیدیوں پر ڈیوٹی لگا دیتے ہیں۔ پڑھے لکھے مجرموں کو اپنے دفتر میں اور ان پڑھ قسم کے قیدیوں کو جیل کے اندر مختلف ڈیوٹیاں سپرد کر دیتے ہیں۔ اس نظام کے مطابق مرزا مچھل ہم پر مسلط تھا۔ نام تو اس کا کوئی اور ہو گا مگر بڑی بڑی خوف ناک مونچھوں کے سبب اسے "مرزا مچھل" کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک دن مرزا نے سیاست خانے کے تمام قیدیوں کو خبردار کیا کہ کل ہمارے بڑے صاحب آئی جی جیل خانہ جات تشریف لا رہے ہیں۔ اس لیے سب اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں باادب ہو کر ان کا استقبال کریں اور کوئی بھی کسی کی شکایت نہ کرے۔

اس نے مجھے خصوصاً باادب کھڑے ہونے کی تاکید کی۔ میں نے تعمیلِ حکم کی صورت میں اس کے رُوبرو نیاز مندانہ طریقے سے کھڑا ہونے کا مظاہرہ کیا تو اس نے بالکل ٹھیک کہہ کر اظہارِ اطمینان کیا۔ دوسرے دن حسبِ پروگرام جب آئی جی جیل خانہ جات (کرنل شبیر حسین لاہوری مرزائی) بغرضِ معاینہ سیاست خانے آئے تو عملے کی فکر مندی اور تیز رفتاری سے کوٹھڑی میں بند ہوتے ہوئے بھی ہم نے اندازہ لگا لیا کہ صاحب آ گئے ہیں اور جب وہ مولانا سلفی اور مولانا ترنم صاحبان سے ہم کلام ہوئے تو میں فوراً اپنے بستر کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنے پاؤں دروازے کی جانب کر کے لیٹ گیا تو مرزا مچھلنے مجھے کہا کہ او صوفیا! صاحب آ گئے، کھڑے

ہو جاؤ۔

میں نے سنی ان سنی کر دی اور اس طرح دروازے کی جانب پاؤں کر کے لیٹا رہا کہ صاحب نے اسے گستاخانہ انداز سمجھا ہوگا۔ دروازے پر کھڑے آئی جی صاحب نے عملے سے دریافت کیا یہ کون ہے؟ عملے نے بتایا کہ یہ روزنامہ آزاد کا ایڈیٹر مجاہد الحسینی ہے۔

آزاد کا نام سنتے ہی اس نے میری کوٹھڑی کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور اندر آ کر معذرت خواہانہ ہو کر کہا: ''معاف کرنا! عملے کو پتہ نہیں تھا۔ اس جگہ آپ کو کیوں رکھا؟''

میں نے کہا: ''کرنل صاحب! آپ ہمارے خلاف انتقامی کارروائی کر رہے ہیں۔ اگر ہم بھی انتقام پر آ جائیں تو جیل کے اندر بیٹھے بیٹھے بھی مرزائیوں کو بہت نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مگر ہمارا یہ پروگرام نہیں ہے۔'' آئی جی صاحب نے اپنے عملے سے دریافت کیا کہ بم کیس وارڈ میں کون ہے؟ انھوں نے مولانا عبدالستار خان نیازی کا نام لیا تو کرنل صاحب نے بتایا کہ انھیں فلاں وارڈ میں منتقل کر دیا جائے اور انھیں بم کیس وارڈ میں۔

چنانچہ مرزا مچھل کے کندھوں پر میرا بستر رکھوایا اور مجھے بم کیس وارڈ میں لے گئے۔ اب مجھے مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ کی اور اپنے دیگر ساتھیوں کی فکر لاحق ہوئی کہ انھیں کہاں رکھا گیا ہوگا؟ بعد میں معلوم ہوا کہ ان حضرات کو بھی مختلف وارڈوں میں قید کر دیا گیا ہے۔



بم کیس وارڈ میں ایک ہی شخص قید تھا (ایس۔بی سنگھا (عیسائی) جس کے پاس قیدیوں کا رجسٹر ہوتا تھا۔ وہ بڑا ہی سلجھا ہوا اور شریف انسان تھا۔ رہائی کے بعد اس سے لائل پور میں ملاقات ہوئی تھی، ان دنوں میں وہ ڈیلی بزنس رپورٹ کے دفتر میں ملازم تھا۔ بم کیس وارڈ میں قیام کے دوران اس نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے موضوع پر مطالعہ کے لیے کتاب طلب کی تو میں نے چودھری افضل حق کی کتاب محبوبِ خدا ﷺ پیش کی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور مطالعہ کے بعد اس نے ایک روز نمناک آنکھوں اور گلوگیر لہجے میں بتایا:

میں جناب محمد (ﷺ) کی پاکیزہ شخصیت سے بہت متاثر ہوا ہوں، واقعی وہ خدا کے آخری نبی ہیں۔''

## تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کن قیدیوں سے متاثر ہوئے؟

شوکت ڈاکو کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آ گیا ہے کہ اسے جیل کے ہی انچارج قیدی مرزا مُچھل نے مار مار کر بے ہوش کر دیا تھا۔ شوکت، ڈاکو نہیں تھا بلکہ کراچی میں اس کا بڑا درزی خانہ تھا۔ اس کے ایک گہرے دوست نے اپنی لڑکی کی شادی کے موقع پر کچھ رقم کی امداد چاہی۔ شوکت نے میز کی دراز میں پڑی رقم میں سے حسبِ ضرورت لینے کی پیش کش کی اور دراز کی چابی اس کے حوالے کر دی۔ اس نے رقم کے ساتھ پستول پڑا دیکھا، رقم اُٹھالی اور جاتے ہی تھانے میں مخبری کر دی کہ شوکت کے پاس پستول ہے۔ پولیس نے چھاپہ مار کر شوکت کو گرفتار کر لیا۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ گھر میں بھی اطلاع نہ دے سکا۔ چند روز کے بعد اہلِ خانہ کو حقیقت معلوم ہوئی، مقدمہ کی پیروی اس کی بیوی نے کی جو معصوم بچوں کے ساتھ عدالتوں میں حاضری دیتی رہی۔ آخر کار شوکت کو سزا ہو گئی۔ اس اثنا میں درزی خانے کی بارہ سلائی مشینیں بھی کاریگر لے گئے۔ بعد ازیں شوکت جیل سے رہا ہوا تو صورت حال دیکھ کر تخت برہمی اور غصے کا شکار ہو گیا۔ جیل کے اندر جن چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ اس نے چند روز گزارے تھے ان میں سے ایک ڈاکو کے ساتھ رابطہ قائم کر کے انتقامی کارروائی کا پروگرام بنایا اور جس دوست نے مخبری کی تھی پہلے تو اس کے گھر ڈاکہ پڑا، پھر ڈاکوؤں کے بڑے گروہ کے ساتھ مل کر مستقل طور سے ''ڈاکہ زنی'' کا پیشہ اختیار کر لیا۔ لاہور میں ضلع کچہری سے خزانے کی رقم اسٹیٹ بینک کی پرانی بلڈنگ میں جمع کرنے لائی جاتی تھی۔ ان دنوں ''خزانہ سرکار'' کے حفاظتی انتظامات آج کل کے انتظامات جیسے نہ ہوتے تھے۔ لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ فلاں وقت پر خزانے کی رقم اسٹیٹ بینک لائی جاتی ہے۔ چنانچہ شوکت کے تین ساتھیوں نے سرکاری رقم لوٹنے کا پروگرام بنایا۔ جب سرکاری اہلکار ضلع کچہری سے ''براستہ انارکلی یونیورسٹی'' نیلا گنبد کی جانب جانے لگے تو اُنھوں نے حملہ کر کے رقم لوٹنے کی کوشش کی۔ پولیس نے ڈاکوؤں کو پکڑنے کی کوشش کی۔ شوکت نے مجھے بتایا کہ میری بدقسمتی کہ میں سیدھا انارکلی کی جانب دوڑا۔ چور چور کی آواز سن کر لوگوں نے میرے راستے میں سامان پھینک کر رکاوٹ پیدا کر دی۔ مجھے گرفتار کر لیا گیا اور کوشش کے باوجود میرا پستول نہ چل سکا۔ مجھے جیل خانے میں بند کر دیا گیا اور اب اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوں۔

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

شوکت ڈاکو کے حوالے سے ایک روز میں نے حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ زندگی میں "ریل اور جیل" کے اندر آپ سب سے زیادہ کس سے متاثر ہوئے ہیں کیونکہ آپ کو تو برصغیر کی عظیم شخصیات کی رفاقت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑی ہیں اور آپ کو دار و رسن کے ہولناک فیصلوں کی زد میں بھی آئے ہیں۔ امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کیا پوچھتے ہو بھائی! میں تو ایک گناہ گار انسان ہوں اور گناہ گار کسی گناہ گار سے بھی متاثر ہو سکتا ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی ایامِ اسیری گزارتے دیکھا ہے جب ان کی رہائی عمل میں آتی ہے تو باہر جانے سے پہلے ان میں سے پختہ کار مجرم اپنے برتن، چٹائی اور کمبل وغیرہ اپنے جیل کے ساتھیوں کے پاس یہ کہہ کر رکھ جاتے ہیں کہ انھیں جیل کے افسروں کے پاس ڈیوڑھی میں جمع نہ کرانا۔ بس تھوڑے ہی دنوں کے اندر اندر ہم بہت جلد یہاں آپ کے پاس آجائیں گے اور اپنا سامان وصول کر لیں گے۔ ہم وفادار ساتھی ہیں آپ لوگوں کے ساتھ ہرگز بے وفائی نہ کریں گے۔

ان مجرمین اور گناہ گاروں کے عزائم کی پختگی اور اپنے رفقائے کار کا ساتھ نبھانے میں وفاداری کے مظاہرے سے میں بہت متاثر ہوا ہوں کہ یہ لوگ گناہ میں کس قدر ثابت قدم اور پختہ کار ہیں اور ہم نیکیوں اور حسن و خوبی کے اُمور میں کس قدر بے وفائی اور کمزوری کا مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔ بھائی! یہ کفر میں پختگی اور عزائم میں سختی کبھی کبھی انبیائے کرام علیہم السلام کی توجہ کا مرکز بن جایا کرتی ہے جبھی تو حضور خاتم الانبیا ﷺ نے اللہ سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلام کی تقویت اور مسلمانوں میں ثابت قدمی کے مظاہرے کی خاطر خصوصی دُعاؤں کے ساتھ مانگا تھا چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد استقلال، شجاعت، بلند ہمتی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا جو مظاہرہ کیا اور استقامت و ثابت قدمی کی شاندار روایات قائم کی ہیں وہ ہماری تاریخِ ملت کا درخشاں باب ہیں جن سے ہمیں حوصلہ ملتا اور "استقامت علی الحق" کے مطابق اپنا عمل و کردار استوار کرنے کا سبق ملتا ہے۔

حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قید و بند کے حوالے سے

حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو جب پسِ دیوارِ زنداں کیا گیا تھا تو اُنھوں نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو جیل خانے سے یہ پیغام نہیں بھیجا تھا کہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں میرے لیے رہائی کی دُعا کریں یا کسی طور ضمانت کا بندوبست کریں۔ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے بھی انگریز حکمرانوں سے معافی کی بھیک نہیں مانگی اور نہ ہی آیندہ حکومتی وفاداری کے ضمانت نامے داخل کیے تھے، بلکہ سب حضرات نے حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہی کہا تھا کہ فرنگی حکمران غاصب ہیں۔ انھیں ہمارا ملک چھوڑ دینے کے سوا چارۂ کار نہیں ہے۔ جیل خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام نے جس استقامت واستقلال کا مظاہرہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی وہ گفتگو نقل کی ہے جو اُنھوں نے اپنے قیدی دوستوں کے رُوبرو کی تھی۔ چنانچہ فرمادیا گیا ہے کہ:

''رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ''[یوسف:۳۳] ''اے رب تعالیٰ! میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کو اس سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں جس گناہ کی جانب مجھے یہ دعوت دی جارہی ہے۔''

اور قرآن کریم میں ہی اس سے آگے تذکرہ ہے کہ جیل خانے میں جب قیدیوں سے ملاقات ہوتی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں توحید کی دعوت دی اور ایسا حکیمانہ انداز اختیار کیا کہ تمام قیدیوں نے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے رہائی کے احکام کی تعمیل سے پہلے اپنے اُوپر عاید کیے گئے الزامات کی صفائی اور برأت طلب کی کہ پہلے مجھے الزامات سے بری کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی الزامات سے بری ہونے اوران کی پاک دامنی کا بھی پوری تفصیل کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈاکو کی ثابت قدمی کے حوالے سے تذکرہ کیا کرتے تھے۔ نیز قید و بند کے حوالے سے امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عالمہ اور فاضلہ، ادیبہ اور شاعرہ بیٹی (والدہ سیّد محمد کفیل شاہ بخاری و ذوالکفل بخاری رحمۃ اللہ علیہم) کے اس خط کے مندرجات لوحِ دماغ پر روشن ہوگئے جو اُنھوں نے میری گرفتاری پر میری بیوی کے نام ارسال کیا تھا۔ اس میں اُنھوں نے اپنی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کی طرف سے میرے اہلِ خانہ کو تسلی دیتے ہوئے تحریکِ

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

ختمِ نبوت کی کامیابی کے لیے اللہ کے حضور دُعاؤں کا سلسلہ جاری رکھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ اس خط میں گرفتار شدگان کی رہائی کی خاطر دُعاؤں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس سے بزرگوں کے اندازِ عمل اور طرزِ فکر ونظر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ صرف حصولِ مقصد کی خاطر کس قدر فکرمند اور صبر واستقامت کے پیکر جمیل تھے۔

حصولِ مقصد کے جملے سے امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور فرمان یاد آ گیا ہے کہ جیل خانے میں ایک روز ہم ناشتے سے فراغت پاکر ابھی سلسلۂ کلام جاری کیے ہوئے بیٹھے تھے کہ فتح دین نامی مشقتی کا ذکر چھڑ گیا جو چند روز قبل جیل سے رہا ہو کر چلے گئے تھے، وہ بڑے خدمت گزار اور مسکین طبع تھے۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ مختلف لوگوں کے ہاں ''خانساماں'' کی خدمت انجام دیتا رہا ہے۔ ''خانِ ساماں'' کا نام سن کر امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے بھی ایک مرتبہ انگریز افسران کے خلاف ''خان سامانوں'' کی معرفت تحریک عدمِ تعاون چلائی تھی۔ مجھے جب اطلاع ملی کہ فلاں مقام پر انگریز متعین ہو کر آیا ہے تو کسی مسلمان خانساماں کی وساطت سے انگریز کے خلاف عدمِ تعاون کا حربہ استعمال کیا جاتا تھا اور وہ اس طرح کہ ملازم اپنے صاحب کو جو بھی چیز فراہم کرے اس میں تاخیر اختیار کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں امرتسر میں ایک خانساماں کانفرنس بھی منعقد ہوئی تھی۔ جس کے فیصلوں نے انگریز حکمرانوں کو خاصا پریشان کیا تھا۔ نتیجتاً کئی ''خان سامان'' انگریزوں کی ملازمت سے دست کش ہو گئے اور کئی جبراً برطرف کر دیے گئے تھے۔ امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ تھا کہ حصولِ مقصد کی خاطر مختلف حربے استعمال کیے گئے تھے۔ تب جا کر فرنگی سامراج ہندوستان سے غاصبانہ قبضہ چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا۔

### مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ کی داستانِ ترکِ مرزائیت

لاہور سینٹرل جیل میں تحریک کے مرکزی قائدین میں قادیانی فتنے کا صحیح علمی اور سیاسی محاسبہ کرنے والی اور مرزائیوں کے لٹریچر کی بابت پوری معلومات رکھنے والی دو شخصیات برصغیر پاک وہند میں زبردست شہرت رکھتی تھیں۔ ان میں ایک مولانا لال حسین اختر اور دوسری مولانا محمد حیات فاتحِ قادیان۔

مولانا لال حسین اختر دھرم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی

تعلیم وہیں اپنے علاقے میں حاصل کی۔ پھر اورینٹل کالج لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ انھی دنوں میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا تو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز پر انگریزی حکومت سے تمام معاملات میں بائیکاٹ (ترکِ موالات) تحریک کا آغاز ہو گیا تھا۔ علمائے کرام کے فتوے کے مطابق اُنھوں نے بھی بائیکاٹ کا فیصلہ کرتے ہوئے کالج کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے وطن دھرم کوٹ رندھاوا کو چلے گئے۔ بعد کے حالات کی بابت مولانا لال حسین اختر نے بتایا کہ

"مجھے علمی کم مائیگی کا تو بہت احساس تھا لیکن ایک خواہش ایسی تھی جو دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ ایک آرزو ایسی تھی جو مجھے بے چین کر رہی تھی، وہ یہ کہ میں ان کافروں کے مقابلے میں اسلام کی کیسے خدمت کر سکتا ہوں؟

میرے رشتہ داروں اور دوستوں نے لاکھ سمجھایا کہ انگریزی حکومت کے خلاف کسی تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں جیل کی ہوا کھانا پڑے گی۔ سخت پریشانی کے حالات جنم لے سکتے ہیں لیکن میں نے سوچا جو ہو، سو ہو، میں نے خلافت کمیٹی میں اپنا نام درج کرا دیا۔ چنانچہ آٹھ نو ماہ ضلع گورداسپور کی خلافت کمیٹی میں رضا کارانہ خدمات سرانجام دیتا رہا۔ سارے ضلع کا سرگرمی کے ساتھ دورہ کیا اور تحریکِ خلافت کے اغراض و مقاصد ایسے موثر طریقے سے لوگوں تک پہنچائے کہ وہ بھی جوق در جوق خلافت موومنٹ میں حصہ لینے لگے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر ضلعی حکّام کی آتشِ انتقام بھڑک اُٹھی اور حکومت کے خلاف لوگوں میں منافرت پھیلانے کے الزام میں میری تین تقریروں کو بنیاد بنا کر میرے خلاف مقدمہ درج کیا گیا۔ چند سرسری پیشیوں کے بعد عدالت نے مجھے ایک سال کی سزا سنا دی۔ چنانچہ مجھے گرفتار کر کے پسِ دیوارِ زنداں کر دیا گیا۔ ایک سال اور بیس دن جن صعوبتوں اور تکلیفوں کے ساتھ گزارے وہ ناقابلِ بیان ہیں۔

گورداسپور کے جیل خانے سے جب رہا ہوا تو اخبارات میں یہ خبریں بڑے زور و شور اور بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی تھیں کہ ایک ہندو پنڈت سوامی شردھانند اور آریہ سماج پارٹی نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی زبردست تحریک شروع کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک حسّاس مسلمان کے لیے یہ ایک ناقابلِ برداشت صورتِ حال ہے۔ چنانچہ میں نے آریہ سماج اس کے

لیڈروں کے خلاف کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھی دنوں میں میری لاہوری مرزائیوں کے چند مبلغوں سے ملاقات ہوگئی۔ اُنھوں نے اس عنوان پر اپنی تبلیغِ اسلام کی خدمات نہایت مبالغے کے ساتھ پیش کیں تو ان کی باتوں سے میں بھی متاثر ہوگیا۔ ان لاہوری مرزائی مبلغوں نے واضح الفاظ میں بتایا کہ ہم بھی اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور آریوں اور عیسائیوں کے ہم سخت خلاف ہیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ مرزا غلام احمد تو صرف مہدی تھے، کوئی نئے نبی نہیں تھے۔ ان مبلغوں نے مرزا قادیانی کی ابتدائی دور کی تحریریں دکھلا کر مجھے یقین دلایا کہ مرزا نے تو نئے مدعیِ نبوت کو دجال، کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج لکھا ہے۔''

مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ

''ان دنوں مجھے قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کے باہم نظریاتی یا ذاتی نوعیت کے اختلافات کا کوئی علم نہیں تھا اور نہ ہی مجھے یہ پتہ تھا کہ لاہوری مرزائی بھی لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں چنانچہ ان کی چکنی چپڑی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور ان کے دامِ تزویر میں پھنس گیا۔ پھر میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور کے کالج میں داخلہ لیا۔ اُنھوں نے تعلیم و تربیت کے ساتھ مجھے اپنے لٹریچر میں مکمل دسترس عطا کردی تھی۔ اس دوران میں نے یہ کہ ان کے نہ صرف مبلغ اور مناظر کے فرائض انجام دیے بلکہ سیکرٹری احمدیہ ایسوسی ایشن اور ایڈیٹر اخبار پیغامِ صلح اور محصل وغیرہ جیسے ان کے مرکزی عہدوں پر فائز رہا ہوں۔ اس سلسلے میں آٹھ سال تک نہایت مستعدی اور جاں فشانی کے ساتھ مرزائی مبلغ کی حیثیت سے سرگرمِ عمل رہا ہوں۔''

مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا:

''۱۹۳۱ء میں مجھے چند ایسے خواب دکھائی دیے۔ جن میں مرزا غلام احمد قادیانی کی گھناؤنی شکل نظر آئی اور انھیں بری شکل وصورت میں دیکھا تھا۔ علاوہ ازیں جب میں لاہوری مرزائیوں کا مبلغ تھا تو ان کی کتابوں کے مطالعے کے دوران بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اہلِ سنت والجماعت کے عقائد و نظریات کے خلاف تھیں۔ یہ میرے دل میں کانٹے کی مانند چبھتی تھیں لیکن میں تو عقیدت و احترام کے جذبے میں غرق تھا اور محبت کے غلو کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ چنانچہ

## تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

میں نے فیصلہ کیا کہ جب میں اہلِ سنت کے مسلمہ نظریات سے ہٹ کر لاہوری مرزائیوں کے عقائد ونظریات اختیار کر چکا ہوں تو لاہوری مرزائیوں کے عقائد ونظریات بھی صداقت کی کسوٹی پر پرکھنے چاہئیں۔ اس پر میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاضر ناظر و جان کر مرزا قادیانی کی محبت اور تعلق توڑ دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے سچی اور اطمینانِ قلب والی زندگی حاصل کرنے کا عزم کر لیا اور خالی الذہن ہو کر مرزا کی چیدہ چیدہ کتابوں کا مطالعہ گہری نظر سے کرنا شروع کر دیا۔ میں نے یہ کتابیں بغور پڑھیں لیکن جتنا زیادہ گہرائی میں جا کر ایک محقق کی حیثیت سے مطالعہ کیا، مجھے اتنا ہی گہرا صدمہ پہنچا کہ میں کہاں پھنس گیا ہوں؟ مجھ پر تو مرزا قادیانی کی صداقت مشتبہ ہوگئی حتیٰ کہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ مرزا اپنے عقائد ونظریات کے اعتبار سے نہ صرف جھوٹا بلکہ تلبیس ابلیس کے درجے پر فائز ہے۔

اب میرے لیے مشکل یہ تھی کہ ایک طرف لاہوری مرزائیوں کے مبلّغ کے عہدے پر فائز معقول تنخواہ لیتا تھا۔ اگر یہ عہد چھوڑ دیتا ہوں تو پھر میرا معاشی مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ انجمن احمدیہ لاہور کے بڑے بڑے عہدیداروں اور جماعت کے سرکردہ رہنماؤں کے ساتھ میرے تعلقات تھے۔ وہ میری بڑی عزت اور قدرومنزلت کرتے تھے۔ میں نے ان سب باطل نظریات اور باطل پرستوں کو چھوڑ کر یکم جنوری ۱۹۳۲ء میں انجمن احمدیہ لاہور کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا جو ۲۴ر جنوری ۱۹۳۲ء کو منظور کر لیا گیا۔''

## بحیثیتِ مبلغ تقرری

''میں نے لاہوری مرزائیوں کے دام تزویر سے نکل کر صحیح معلومات کی خاطر مختلف علمائے کرام اور دینی جماعتوں کے راہنماؤں کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا تو پتہ چلا کہ مرزائیوں کے خلاف منظم کارکردگی صرف مجلسِ احرار اسلام کی ہے اور ہر محاذ پر ان منکرینِ عقیدۂ ختمِ نبوت مرزائیوں کا سدِ باب کرنے اور ان کی جارحیت کو روکنے اور خلافِ اسلام سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنما ہی صحیح طور سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ میں مجلس احرار اسلام میں شامل ہو کر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور اُن کے گرامی قدر رفقاء کی معیت میں ترویج واشاعت اسلام اور احقاقِ حق وابطالِ باطل کے لیے وقف

ہو گیا۔

۷رمئی ۱۹۳۲ء بعد نمازِ عشاء باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں مجلس احرار اسلام نے میرے اعزاز میں ایک بڑا جلسہ عام منعقد کیا اور جلسہ کے اشتہار میں یہ عبارت درج کی کہ:

''مولانا لال حسین اختر ترکِ مرزائیت کا اعلان کریں گے۔''

چنانچہ جلسہ ہوا۔ تیس ہزار لوگ جمع تھے۔ میں نے ترکِ مرزائیت کے موضوع پر تین گھنٹے تقریر کی۔ جلسہ میں مرزائیوں کے مناظر و مبلغ موجود تھے کس کو بھی میری تقریر میں اٹھائے گئے سوالات کا جواب دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔''

مولانا لال حسین اختر نے جن دنوں مرزائیت کے دامِ تزویر سے نجات پائی تھی اور وہ تائب ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ان دنوں میں مجلسِ احرارِ اسلام کی شروع کردہ تحریک ''تحریکِ آزادیِ کشمیر'' خوب زوروں پر تھی۔ جس میں حصہ لینے کی پاداش میں مجلسِ احرارِ اسلام کے اکثر رہنما جیل خانوں میں قید تھے جن میں سے چودھری افضل حق، امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا عبدالغفار غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین اور دیگر حضرات کے نام خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں پر اس بات کا تذکرہ بھی برمحل ہے کہ علامہ محمد اقبال سمیت اہم مسلمان رہنماؤں نے مرزا بشیر الدین محمود کو مسلمانوں کے مفاد میں مخلص خیال کر کے کشمیر کمیٹی کا صدر مقرر کر دیا تھا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جب قادیانیوں کی غدارانہ سرگرمیوں کی بابت انھیں مکمل ثبوت مل گیا تو احرار اور مسلمانوں کی شدید مخالفت کی بناء پر مرزا محمود کو کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہونا پڑا تھا۔ بعدازاں احرار رہنماؤں اور حکومتِ کشمیر کے ساتھ مذاکرات اور خط و کتابت ہوئی۔ جسے مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیا تھا اور راقم الحروف نے اسے ۱۹۶۳ء میں جب شیخ عبداللہ کشمیری لیڈر پاکستان میں آیا تھا تو روزنامہ امروز لاہور کے ''کشمیر نمبر'' میں وہ شائع کر دی تھی۔

اس تحریک کے رہنماؤں کو جب حکومت نے اپنی مصلحت کے تحت رہا کر دیا تھا تو مجلسِ احرار کے رہنماؤں نے سیاسی محاذ کے ساتھ ساتھ تبلیغی محاذ پر بھی سرگرم عمل ہونے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۳۴ء میں شعبۂ تبلیغ کے پہلے صدر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، ناظم اعلیٰ مولانا سیّد محمد داؤد

غزنوی مقرر ہوئے تھے۔ان کے معاون اراکین میں مولانا لال حسین اختر،مولانا محمد حیات، مولانا عبدالغفار غزنوی، مولانا عبدالکریم مباہلہ، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا عبدالرحیم نارووال اور مشہور شاعر ظہیر نیاز بیگی شامل تھے۔میاں قمرالدین رئیس اچھرہ لاہور شعبہ تبلیغ کے خزانچی مقرر ہوئے تھے۔ان حضرات کے علاوہ مولانا ظہور احمد بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ، مولانا بہاء الحق قاسمی امرتسری (نامور شاعر وادیب اور کالم نگار جناب عطاء الحق قاسمی کے والد ماجد) اور مولانا پیر مظہر قیوم ضلع گورداسپور، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن سجادہ نشین آلومہار شریف اور دیگر شخصیات بھی وقتاً فوقتاً اس شعبے کی سرپرستی اور معاونت کرتی رہتی تھیں۔جس کے نتیجے میں برصغیر پاک وہند کا گوشہ گوشہ مرزائیوں کی گمراہ کن تبلیغ اور ان کی خلافِ اسلام سازشوں سے باخبر ہوگیا تھا۔صورتِ حال کی سنگینی سے گھبرا کر مرزائیوں نے اندرونِ ملک کی بجائے بیرونی ممالک خصوصاً افریقی علاقے کو اپنی گمراہ کن سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔تاکہ قادیانی مبلغ وہاں کے سادہ لوح مسلمانوں کو عقیدۂ ختمِ نبوت سے برگشتہ کر کے مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کے پُرفریب جال میں پھنسا کر انھیں مرتد بنانے کی سعیِ مذموم کرسکیں۔

مرزائیوں کی ارتدادی سرگرمیوں کا وہاں پر آباد مسلمانوں خصوصاً لاہوری باشندوں نے سخت نوٹس لیتے ہوئے لاہور میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ رابطہ کر کے صورتِ حال پر قابو پانے کی خاطر انھیں متوجہ کیا۔چنانچہ لاہور میں آباد حمیتِ اسلامی سے سرشار مسلمانوں نے علمائے کرام خصوصاً مجلسِ احرارِ اسلام سے رابطہ کر کے اس سلسلے میں ان سے تعاون طلب کیا تو مجلسِ احرار کے شعبۂ تبلیغ کی طرف سے مبلغ اسلام مولانا لال حسین اختر کو افریقہ میں مبلغ مقرر کرنے کا فیصلہ ہوا جس کے مطابق مولانا لال حسین اختر ۱۹۳۴ء کو افریقی شہر نیروبی کے لیے روانہ ہوگئے اور وہاں جا کر عقیدۂ ختمِ نبوت کی وضاحت کے ساتھ قادیانیوں کی اسلام دشمنی سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔نیز انھیں بتایا گیا کہ ''فتنۂ قادیانیہ'' درحقیقت انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے جس کا مقصد لوگوں کو اسلامی فریضہ ''جہاد'' سے برگشتہ کر کے انھیں انگریزی حکومت کا مطیع اور فرماں بردار بنانا ہے۔مولانا لال حسین اختر نیروبی، ممباسا وغیرہ پہنچے تو شمعِ رسالت کے پروانوں نے آپ کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا جسے دیکھ کر وہاں براجمان مرزائی مبلّغ سخت مایوس اور

پریشان ہوئے۔

مولانا لال حسین اختر افریقہ میں ایک سال فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ۱۹۳۵ء میں واپس آئے تو اُنھوں نے مجلسِ احرار کے شعبۂ تبلیغ کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی جس میں اُنھوں نے انجمن حیاتِ اسلام نیروبی کا خصوصی طور سے شکریہ ادا کرتے ہوئے عقیدۂ ختمِ نبوت کی وضاحت اور اسلام کے صحیح عقائد کی تبلیغ کے سلسلے میں ان کی لائق صد تحسین حمایت اور معاونت کا تذکرہ کیا تھا۔ نیز مولانا اختر نے بتایا کہ وہاں کے باشندوں (Native) میں تبلیغِ اسلام کی سخت ضرورت ہے اور تبلیغ اسلام کے لیے وہاں کے مختلف قبائل کے سرداروں اور مسلم حکام سے ملاقات اس سلسلے میں نہایت بہتر ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ لوگ اپنے قبیلے کے سرداروں ہی کے زیرِ اثر اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق جس طرح دنیا کے مختلف ملکوں کے سربراہوں اور قبائل کے سرداروں اور شیوخ کے نام اپنے دعوتی خطوط ارسال کر کے اُمتِ مسلمہ کو دعوتِ اسلام اور تبلیغ کا طریقِ کار سکھلا دیا ہے۔ اسی اسوۂ حسنہ کے مطابق ہمیں لائحہ عمل استوار کرنا چاہیے۔ چنانچہ افریقہ میں ہم نے حضور ﷺ کے نقشِ قدم اختیار کر کے انجمن حیاتِ اسلام کے اشتراک سے اپنی معمولی کوششیں بروئے کار لائی ہیں۔ جن کے نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ بہرنوع مرزائیوں نے مولانا لال حسین اختر کو گرفتار کرانے کے بعد انھیں افریقیوں کے ہاتھوں قتل کروانے کی بھی کوشش کی تھی مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ بعد ازاں مولانا اختر کے ساتھ مناظروں میں مرزائیوں کے مبلغ بری طرح شکست کھا کر بھاگ گئے تھے۔

راقم الحروف جن دنوں روزنامہ آزاد لاہور کی ادارت پر مامور تھا تو ایک روز جناب ضیاالدین گنائی تشریف لائے جو گوالمنڈی لاہور کے باشندہ اور نیروبی میں شعبۂ تجارت سے منسلک تھے۔ اتفاقاً اس وقت ہفت روزہ چٹان کے مدیر معاون اقبال فیروز صاحب بھی میرے پاس موجود تھے۔ ضیاء الدین گنائی صاحب نے اپنے تعارفی کلمات میں بتایا کہ وہ نیروبی میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کی خاطر شاندار خدمات انجام دے رہے ہیں اور مبلغ ختمِ نبوت مولانا لال حسین اختر ہمارے ہاں قیام پذیر ہوتے تھے۔ اُنھوں نے نیروبی سے ایک رسالہ شائع کرنے کا بھی حوالہ دیا جس میں مولانا لال حسین اختر کی سرگرمیاں اشاعت پذیر ہوتی تھی۔ اس رسالے

کی ایک کاپی بھی اُنھوں نے مجھے عطا کی تھی۔ بعدازیں جناب ضیاءالدین گنائی صاحب جب بھی پاکستان میں تشریف لائے تو ملاقات سے ضرور نوازتے تھے۔

بہرنوع مولانا لال حسین اختر کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے خوب نوازا تھا۔ قادیانی فتنے کے سدِ باب کے سلسلے میں جتنی معلومات مولانا اختر صاحب کو حاصل تھیں کسی دوسرے کو نہیں تھیں۔ ان کے بعد مولانا محمد حیات فاتح قادیان کی ذات گرامی تھی۔ مولانا لال حسین اختر مجلسِ تحفظِ ختم نبوت کے امیر رہے، وفات کے بعد ان کی تدفین خانپور کے قریب خانقاہ دین پور کے قبرستان میں ہوئی تھی۔

## مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ، فاتح قادیان:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے ساتھ بھلائی اور کرم کا معاملہ فرمائے، اسے دینِ اسلام کی سمجھ اور گوں ناگوں صلاحیتوں سے خوب نوازتا ہے۔ تفقہ فی الدین کی اعلیٰ صلاحیتوں سے متصف شخصیت مولانا محمد حیات کی تھی۔ وہ بھی تحریکِ ختم نبوت کے مرکزی قائدین میں اپنا بلند مقام رکھتے تھے۔ دورانِ تحریک انھیں بھی گرفتار کرکے لاہور سینٹرل جیل کے دیوانی احاطے میں نظر بند کیا گیا تھا۔ آپ نے بڑے حوصلے اور ثابت قدمی کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ وہ سادہ مزاج، مرنجاں مرنج اور خوش باش شخصیت کے مالک تھے۔ ''قادیانیت'' سے روشناس کرانا ان کا روزمرہ کا معمول اور اوڑھنا بچھونا تھا۔ مطالعۂ کتب ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ ہروقت کتب بینی میں مشغول اور منہمک رہتے تھے۔ وہ بلاشبہ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے منفردانہ خصوصیات کے حامل تھے۔ برصغیر میں جن حضرات کو قادیانیت کی بابت مکمل دسترس اور عبور حاصل تھا۔ ان میں مولانا لال حسین اختر اور مولانا محمد حیات ممتاز تھے اور جہاں کہیں فتنہ قادیانیت سر اُٹھاتا اس کی سرکوبی کو فوراً وہاں پہنچ کر اس کا سدِ باب کرتے اور سر کچلتے تھے۔ مولانا محمد حیات، علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے بھی اللہ کے ولی تھے۔ جیل خانے میں انھیں مایوسی اور بدمزاجی کا مظاہرہ کرتے نہیں دیکھا، وہ روزانہ اپنے مطالعے کے ثمرات سے ہمیں مستفید کرتے رہتے تھے۔

ایک روز مولانا محمد حیات حسبِ معمول قادیانیت کے موضوع پر اظہارِ خیال کر رہے

تھے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات بغرض معائنہ ہمارے وارڈ میں آ گئے۔ دعا و سلام کے بعد اُنھوں نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا: ''کوئی خدمت میرے لائق ہو تو بلا تکلف فرمائیے۔''

بزرگ حضرات نے تو اس پیشکش پر کوئی توجہ نہ دی۔ البتہ مولانا محمد حیات نے برجستہ فرمایا: ''مہر صاحب! ایک خدمت آپ ضرور انجام دیں کہ گزشتہ دنوں آپ نے اچھی باسمتی کے چاول قیدیوں میں تقسیم کرائے ہیں۔ اتنے اچھے چاول نہ تو آسانی دوبارہ پک سکتے ہیں اور نہ ہی ہمیں معلوم ہے کہ اس جیل خانے میں ہم کتنے سال قید رہیں گے اس لیے فی الحال آپ ایک ٹرک چاول منگوالیں باقی پھر دیکھا جائے گا۔'' مولانا کا یہ پُر اعتماد جملہ سن کر محفل زعفران زار بن گئی اور مہر محمد حیات سپرنٹنڈنٹ جیل بھی پکار اُٹھے کہ مولانا ایسے مستقل مزاج اور ثابت قدم بہادر قیدی قبل ازیں نہیں آئے۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر تو حکومت کو اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑے گی کیونکہ ارباب حکومت کو اگر پتا چل گیا کہ یہ لوگ تو معافی نامہ لکھ کر جانے والے نہیں ہیں بلکہ کئی سال قید خانے میں گزارنے کے عزائم رکھتے ہیں تو ضرور انھیں رہا کر کے اپنا خرچ بچائے گی۔

بہر نوع مولانا محمد حیات اللہ نے ازراہ مذاق ہی اہلِ حق علما کی ثبات قدمی اور مستقل مزاجی کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا تھا۔ مولانا محمد حیات کی شخصیت کا دینی حلقے خصوصاً علمائے کرام میں بے حد احترام و اعزاز تھا۔

مولانا محمد حیات ضلع سیالکوٹ کی تحصیل نارووال کے قریب ایک قصبہ لنگاہ بھٹیاں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے نامور عالمِ دین مولانا محمد شفیع فاضل دیوبند سے حاصل کی۔ بعد ازاں درسِ نظامی سے فراغت کے بعد علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد مولانا محمد چراغ (جامعہ عربیہ گوجرانوالہ) سے تردیدِ مرزائیت کے سلسلے میں اہم معلومات سے آشنا ہونے کے بعد مجلسِ احرارِ اسلام میں شمولیت اختیار کی اور شعبہ تبلیغ کے مرکزی مبلغ کی حیثیت سے انھیں ختم نبوت ٹرسٹ قادیان کا انچارج مقرر کر دیا گیا تھا۔

لاہور سینٹرل جیل میں مولانا محمد حیات اکثر اپنی رُودادِ حیات سناتے رہتے تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ جب میں قادیان میں ختمِ نبوت کا مبلغ مقرر ہوا تو وہاں کے مسلم باشندوں کے ساتھ قادیانی نہایت ذلت آمیز اور بے رحمانہ سلوک کیا کرتے تھے۔ قادیان شہر کے دکاندار سب

## تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

قادیانی تھے اور مرزا محمود امیر جماعتِ احمدیہ قادیانیہ کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص نہ کاروبار کر سکتا تھا اور نہ ہی خاص محلوں میں عام مسلمانوں کی طرح آ جا سکتا تھا۔ ان دنوں چناب نگر (سابق ربوہ) کے مقام پر کوئی بھی مسلمان نہ رہائش اختیار کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کاروبار۔ صرف قادیانیوں کی آبادی سے باہر کے علاقے میں مسلمانوں کی رہائش اور اپنی عبادت گاہ مسجد تعمیر کرنے کی اب اجازت ملی ہے۔ ایسی ہی صورت حال قادیان میں تھی کہ ہر مرزائی بھی اپنے لیڈر مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ باقاعدہ تحریری معاہدۂ تجارت کیا کرتا تھا اور ہر سال اس معاہدے کی تجدید لازم تھی۔ اگر کوئی بھی قادیانی مرزائی اپنے پیشوا کی حکم عدولی کرتا یا شرائط معاہدہ پوری نہ کیا کرتا تو اسے جبراً قادیان سے نکال باہر کیا جاتا تھا اور یہ سب کچھ انگریزی حکومت کے خاص تعاون کے ساتھ انجام پاتا تھا۔ اس سلسلے کا سب سے افسوسناک پہلو یہ تھا کہ قادیان کا جو بھی مسلمان وہاں کے مرزائیوں کی مخالفت کرتا یا اپنے عقیدۂ ختمِ نبوت کا اظہار کر کے قادیانی جھوٹے نبی کو ماننے سے انکار کیا کرتا، اسے قادیانی دکاندار کوئی سودا نہیں دیتے تھے جس سے مجبوراً مسلمانوں کو قادیان نے ملحقہ آبادیوں یا بٹالہ سے اپنی ضروریات کی چیزیں خریدنا پڑتی تھیں۔

### ختم نبوت کانفرنس' قادیان:

غرض یہ کہ وہاں کی مسلم آبادی قادیانی مرزائیوں کی جابرانہ حرکتوں اور بے رحمانہ سلوک سے بے حد تنگ اور آزارہ خاطر تھی۔ حالات کی سنگین نوعیت کے پیشِ نظر مجلسِ احرار نے ۲۱، ۲۲، ۲۳ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان میں ختمِ نبوت کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو منظم کیا جا سکے۔ اس کانفرنس میں ہندوستان کے نامور علمائے کرام اور مبلغین اسلام کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ جب قادیانیوں کو اس مؤثر پروگرام کا پتہ چلا تو اُنھوں نے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اس کانفرنس کو ناکام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا حتیٰ کہ جلسہ گاہ کے نزدیک واقع پانی کے کنوئیں تختے لگا کر بند کر دیے گئے تاکہ کوئی مسلمان پانی نہ پی سکے۔ علاوہ ازیں اس وقت چونکہ قادیان کی سرزمین پر صرف مرزائیوں کا کنٹرول تھا، اس لیے اُنھوں نے اپنی زمین میں ختمِ نبوت کانفرنس منعقد کرنے کی بھی اجازت نہ دی۔ مجلسِ احرار کے منتظمین نے ایک سکھ ایشر سنگھ سے رابطہ کر کے اس کی زمین میں ختمِ نبوت کانفرنس منعقد کرنے کا

## تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

اعلان کر دیا جس پر مرزائیوں نے جلسہ گاہ کے قریب واقع اپنے خالی پلاٹ پر دیوار کھڑی کر دی تا کہ جلسہ گاہ میں شرکت کرنے والے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائیں۔ چنانچہ اس رکاوٹ کے پیشِ نظر ایشر سنگھ کے رقبے کی بجائے ہندو ہائی اسکول کی گراؤنڈ میں کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے اور شرکت کے لیے مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر (دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث وغیرہ) نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ نتیجتاً قادیان اور ارد گرد کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور اسلامی عقائد و نظریات کے تحفظ کی خاطر تحریکِ ختمِ نبوت کے ساتھ ہر ممکن تعاون کے لیے کمر بستہ ہو گئے تھے۔

### مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات

مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سرگزشت اور قادیان کے حالات بتاتے ہوئے فرمایا کہ وہاں کی مسلم آبادی قادیانیوں کے جبر و استبداد اور بے رحمانہ سلوک سے بے حد تنگ تھی۔ اکثر وہاں سے نقل مکانی کر کے دوسرے مقامات پر رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ زیادہ تر کمزور اور بے وسیلہ مسلمان ہی وہاں رہ گئے تھے۔ البتہ ختمِ نبوت کانفرنس کا فائدہ یہ ہوا کہ علاقے میں قادیانیوں کی سرگرمیاں ضرور ٹھنڈی پڑ گئی تھیں۔ مزید برآں یہ کہ برصغیر کی تحریکِ آزادی کی وسعت و ہمہ گیری کے باعث فرنگی سامراج کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ رہی تھی جس کے باعث قادیانیت کا خود کاشتہ پودا بھی خشک نہ سہی مرجھا ضرور گیا تھا۔

بہر نوع...... انھی دنوں میں جبکہ مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ ختمِ نبوت ٹرسٹ قادیان میں قیام پذیر تھے، مجھے قادیان جانے کا موقع اس طرح مل گیا کہ میرا بچپن کا ساتھی محمود الحق رامے مرزائی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ سلطان پور لودھی ریاست ''کپورتھلہ'' کے پرجیت ہائی اسکول میں اور میں انجمن تعلیم القرآن کا طالب علم تھا۔ محمود الحق کا باپ مرزا غلام احمد قادیانی کا براہ راست مرید اور اس کے خاص ''۳۱۳ سایوں'' میں شامل تھا۔ ہم جب اپنے سروں پر بستے رکھے اپنے اپنے اسکولوں کو جاتے تو راستے میں جب بھی محمود الحق کے باپ منشی خدا بخش پٹواری سے ملاقات ہو جاتی تو ہم سب اس ''بابے'' سے ضرور پوچھتے تھے کہ بابا جی! مرزا اگر نبی تھا تو ٹٹی خانے میں کیوں مرا تھا؟

## قادیان کا دلچسپ سفر:

یہ وہ جملے تھے جو ہم نے بچپن میں اپنے بزرگوں کی گفتگو اور مرزائیت کی بابت ان کے تجزیے اور تبصرے سے سن رکھے تھے۔ قادیانیت کی بابت اس کے علاوہ ہمیں کوئی معلومات ہرگز نہ تھیں۔ ہمارے سوال پر ''بابا'' ہمیں مارنے کو ہاتھ اُٹھاتا تو ہم سب تتر بتر ہوکر شرارت آمیز لہجے میں ''بابے'' سے وہی سوال دہراتے اور اپنے اپنے اسکولوں میں داخل ہو جاتے تھے۔ غالباً ۱۹۳۹ء کی بات ہے ان دنوں ہمارا شعور اجاگر ہو چکا تھا اور محمود الحق ہمیں مرزائیت کی بابت حیران کن باتیں سنا کر سفر قادیان کی دعوت دیتا رہتا تھا کہ ایک مرتبہ وہاں جا کر دیکھو تو سہی۔ ہم نے وہاں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے علاقے کے ایک ممتاز عالمِ دین اور اپنے استاد مولانا محمد اسمٰعیل آف بھاگو آرائیں کو اس سفر کی قیادت کے لیے آمادہ کرلیا اور دو سائیکلوں پر سوار ہوکر ہم قادیان کو روانہ ہو گئے۔ ایک سائیکل پر محمود الحق اور میں سوار تھے۔ دوسری پر مولانا محمد اسمٰعیل...... ہم نہر کی پٹڑی کے ذریعے ریاست کپورتھلہ اور ضلع امرتسر کی حدود سے نکل کر ضلع گورداسپور کی حدود میں داخل ہوئے تو قادیان سے چند میل کے فاصلے پر ہمیں زبردست آندھی اور موسلا دھار بارش نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مجبوراً ہم نہر کے کنارے واقع گاؤں ''ڈھپئی'' میں داخل ہوئے اور ایک ہندو دکاندار سے کسی مسلمان کا گھر پوچھا۔ اس نے برجستہ کہا: ''مہاراج! مسلمانوں کے گھر تو گاؤں کے دوسری جانب ہیں، یہاں صرف ہمارے یا مرزائیوں کے گھر ہیں۔'' اس کی بات سن کر ہم ہنس پڑے۔ محمود الحق پریشان ہوا کہ ہنسی کی کون سی بات ہے؟ میں نے کہا: ''دیکھو! یہ تمہیں (مرزائیوں کو) مسلمان نہیں سمجھتے۔'' ہندو دکاندار نے پھر کہا ''بارش تیز ہے، اس لیے تم لوگ یہیں ٹھہر جاؤ، یہ چارپائیاں پڑی ہیں، دال روٹی مل جائے گی۔''

دکاندار کی پیشکش کو مولانا اسمٰعیل نے قبول کرتے ہوئے اس دکان میں رات گذارنے کا فیصلہ کرلیا۔ دکاندار نے مغرب سے پہلے پہلے مونگ کی دال اور روٹیاں چھوٹی ''ترے'' میں سجائیں اور ہمارے سامنے رکھ دیں۔ ہم بسم اللہ پڑھ کر اس تواضع سے لطف اندوز ہوئے اور نمازِ فجر کے بعد عازمِ قادیان ہو گئے۔

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

قادیان میں محمود الحق راے کا رشتہ دار عبدالحق، احمدیہ ہوسٹل قادیان کا انچارج تھا۔ محمود الحق ہمیں اس کے ہاں لے گیا۔ ظہر کا وقت ہونے کو تھا۔ اس نے کھانے کی بات کی تو مولانا اسمٰعیل نے کہا کہ گوشت سے نہیں ''کدو دال'' کے سالن سے ضیافت ہو جائے تو کیا کہنے؟ میاں عبدالحق کے ہاں کھانے کے بعد ہم قادیان شہر کی سیر اور مشاہدے کو نکل گئے۔ ان کی عبادت گاہ اقصیٰ دیکھی، اس کا مینار زیر تعمیر تھا۔ مولانا محمد اسمٰعیل نے دریافت کیا کہ مرزا صاحب نے جس ''منارة المسیح'' پر آسمان سے نازل ہونے کی بابت لکھا ہے، کیا وہ یہی ہے؟ میاں عبدالحق نے جواب دیا کہ یہ مرزا صاحب کی زندگی میں ہی مکمل ہو جانا تھا مگر چند مجبوریوں کی وجہ سے تکمیل نہ ہو سکی۔ پھر ہم مرزا غلام احمد قادیانی کی رہائش گاہ سے منسلک ان کی عبادت گاہ مبارک میں گئے۔ ظہر کا وقت ہو چکا تھا، گنتی کے تین چار آدمی اور کپڑے کی میان میں لپٹی تلوار پکڑے ایک پہرے دار وہاں موجود تھا۔ وہ کسی کے منتظر دکھائی دیتے تھے کہ پہرے دار نے اٹینشن ہو کر ''حضرت صاحب آ گئے'' کے جملے سے اعلان کیا تو اس عبادت گاہ کے جنوبی حصے کی جانب سے طرے دار پگڑی، کوٹ، سفید شلوار اور تسمے دار بوٹ پہنے مرزا بشیر الدین محمود امیر جماعتِ احمدیہ قادیانیہ نمودار ہوئے۔ ہم تو پہلے ہی کھڑے تھے۔ عبادت گاہ میں بیٹھے دو تین آدمیوں اور پہرے دار نے انہیں سلام کیا اور مرزا محمود سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے نیچے اُتر گئے (یاد رہے یہ عبادت گاہ ''مبارک'' بالائی حصے میں واقع تھی) ہم نے عبدالحق اور دوسروں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ مرزا محمود صاحب نے یہاں پر نماز کیوں نہیں پڑھی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ حضرت صاحب کی طبیعت ناساز تھی، چنانچہ ہم یہ معلومات افزا جواب سن کر نیچے آ گئے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی قبر پر گئے جو چار دیواری کے اندر تھی، ارد گرد قبروں کے سرہانے مدفونوں کے ناموں کے کتبے تھے، کئی قبریں تیار تھیں ان پر تختے رکھے ہوئے اور سرہانے پر نام نہاد ''جنت البقیع'' میں داخلے کی فیس درج تھی یعنی جو مرزائی اپنی کمائی کا دسواں حصہ ادا کرتا ہو وہ اس مبینہ جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس قبرستان کی خاص بات یہ تھی کہ ارد گرد ''چھترتھور'' کی باڑ تھی (یعنی شجرِ زقوم جو قرآن کریم میں اہلِ جہنم کی خوراک بتائی گئی ہے) مرزا قادیانی کی قبر کے علاوہ قادیان شہر کی بھی سیر کی تھی اور مختلف شعبے بھی دیکھے تھے۔

قادیانی جماعت کے مختلف شعبے دیکھنے کے بعد ہم ختمِ نبوت ٹرسٹ میں بھی حاضر ہوئے۔ وہاں پر مجلسِ احرارِ اسلام کے مرکزی مبلغ مولانا محمد حیات جو ختمِ نبوت ٹرسٹ کے انچارج تھے۔ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔آپ کے ساتھ مولانا عنایت اللہ چشتی منتظم اعلیٰ مرکز احرار قادیان اور مولانا شیخ احمد بھی موجود تھے۔مولانا شیخ احمد قیام پاکستان کے بعد بورے والا میں مقیم ہوئے اور تنظیم اہلِ سنت کے جلسے میں شرکت کے لئے جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے مولانا قاری لطف اللہ کے ہمراہ بس میں سوار تھے کہ ایک حادثے میں ساری بس کے مسافر شہید ہو گئے تھے۔

مولانا شیخ احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، ممتاز عالم دین اور کالم نگار مولانا قاری منصور احمد کے والد ماجد تھے۔مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ نے دال روٹی سے ہماری ضیافت کی۔آپ نے فرمایا کہ جس روز گوشت کھانا ہو تو ہم بٹالہ یا کسی گاؤں کے مسلمان قصاب سے لاکر پکاتے ہیں کیونکہ قادیانیوں کے ہاتھوں کا ذبح حرام ہے اور ویسے بھی:

الدَّالُ تَدُلُّ علیٰ قِلّۃِ المالِ و کثرتِ العیالِ

(یعنی دال کی خوراک مال و دولت کی قلت اور افرادِ کنبہ کی کثرت کی آئینہ دار ہے۔)

مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ نے قادیان میں اپنے اندازِ تبلیغ سے بھی پوری طرح آگاہ کیا۔ سفرِ قادیان سے واپسی پر میں تو درسِ نظامی کی تعلیم کے لئے مدرسہ خیر المدارس جالندھر چلا گیا پھر دارالعلوم ڈابھیل ضلع سورت میں داخلہ نصیب ہو گیا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ شمس الحق افغانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد مسلم دیوبندی، مولانا احمد نور اور مولانا عبدالجبار اعظمی (رحمۃ اللہ علیہم) سے اکتسابِ فیض کی صورت میں درسِ نظامی سے فراغت حاصل کی۔پھر مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں ابتدائی کتب اور تحریر و انشاء کا مدرس مقرر ہوا۔قیامِ پاکستان کے بعد روزنامہ آزاد لاہور کی ادارت پر جب مامور تھا تو میرے بچپن کا ساتھی محمود الحق رائے ربوہ (ربوہ چناب نگر) میں اپنے افرادِ کنبہ کے ہمراہ قیام پذیر تھا۔اس کا حقیقی بھائی عبدالحق ربوہ میں جماعتِ احمدیہ کے ناظم اُمورِ عامہ کے عہدے پر فائز تھا۔اس کا ایک بھائی ولی الحق فوج میں صوبے دار تھا جسے ''حروں'' کی تحریک آزادی کچلنے کے صلے میں سندھ میں کئی مربع زمین عطا ہوئی تھی۔محمود الحق رائے کا ربوہ میں راما جنرل اسٹور تھا۔وہ جب بھی ملاقات کو آتا اور قادیانیت

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

موضوع سخن بنتی تو حقائق بتائے جاتے۔ وہ اسکی تحقیق کے بعد میری تائید کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آ گیا کہ اس کا جنرل اسٹور اور بال بچے بحق سرکار ربوہ ضبط ہو گئے۔ وہ پراگندہ حال ایک روز میرے پاس آیا اور کہا کہ میں نے قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام کی صداقت اور عقیدہ ختمِ نبوت پر ایمان لانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ محمود الحق تائب ہو کر نیا لاہور ضلع فیصل آباد میں آباد ہو گیا اور تصوف کی راہ اختیار کر کے بعد میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا تھا۔ محمود الحق نے ''قادیان'' میں مولانا محمد حیات کی زبانی مرزائیت کی جو حقیقت معلوم کی اور بعد ازاں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران اس نے جو مشاہدہ کیا تھا۔ اس نے اسے مرزائیت چھوڑ کے قبول اسلام اور عقیدہ ختمِ نبوت پر ایمان لانے پر آمادہ کر دیا تھا۔

بہرنوع مولانا محمد حیات دیگر رہنماؤں کے ساتھ لاہور سینٹرل جیل سے رہا ہو گئے تو زمانے کی قدر ناشناسی کے باعث سلطان فونڈری لاہور میں بحیثیتِ خزانچی ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کی خدمات بحیثیتِ مبلغ ختمِ نبوت حاصل کر لی گئی تھیں، لیکن ان دنوں ان کی صحت رفاقت چھوڑ چکی تھی۔ ان کی علمی اور تحقیقی نوادرات سے مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا محمد لقمان علی پوری، مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا محمد شریف بہاولپوری اور مولانا منظور احمد شاہ کہروڑوی اور دیگر نامور مبلغین ختمِ نبوت نے اکتسابِ فیض کی سعادت حاصل کی تھی۔ مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات منفرد اور ناقابلِ فراموش ہیں۔

## قائدینِ تحریک سے حسین شہید سہروردی کی ملاقاتیں

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کے مرکزی قائدین سے بغرض ملاقات لاہور سینٹرل جیل کے دیوانی احاطے میں دو (۲) ایسی شخصیات تشریف فرما ہوئی تھیں۔ جن کی شخصی عظمت کا اندرون اور بیرون ملک زبردست اعتراف موجود ہے اور ان کے تذکرے کے بغیر اس دور کا تاریخی حوالہ ادھورا اور نامکمل رہ جائے گا۔ وہ حسین شہید سہروردی اور مولانا مودودی کی ذواتِ گرامی تھیں۔ حسین شہید سہروردی قیام پاکستان کے چند سال بعد یہاں آئے تھے۔ ان دنوں مسلم لیگ جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی علمبردار تھی، لیڈروں کی ہوسِ اقتدار اور باہم دگر سیاسی کشمکش کے باعث دو دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی، نواب افتخار حسین ممدوٹ (پنجاب

کے پہلے وزیر اعلیٰ) کو الگ کر کے کرسیِ اقتدار پر میاں محمد ممتاز خان دولتانہ براجمان ہو چکے تھے اور ممدوٹ صاحب نے ''جناح مسلم لیگ'' کے نام سے پاکستان کی پہلی حزبِ اختلاف کا جھنڈا بلند کر کے مسلمانوں کی واحد نمایندگی کا علم سرنگوں کر دیا تھا۔ حالات سازگار دیکھ کر سیّد حسین شہید سہروردی نے ''عوامی لیگ'' کے نام سے اپنی الگ جماعت قائم کر دی۔ تھوڑے عرصے کے بعد ''جناح مسلم لیگ'' اور ''عوامی لیگ'' کا متحدہ محاذ قائم ہو گیا اور ''جناح عوامی لیگ'' معرض وجود میں آ گئی تھی۔ بعدازاں عوامی لیگ ہی پاکستان کی بڑی حزبِ اختلاف قرار پائی اور سیّد حسین شہید سہروردی کے ساتھ نوابزادہ نصر اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ مجیب الرحمٰن جیسی بڑی شخصیات شریکِ جدوجہد تھیں۔

ادھر تحریکِ ختمِ نبوت کے ہمہ گیر اثرات کے باعث مرکزی وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ کی وزارتیں ختم ہو گئی تھیں۔ مرکز میں امریکا سے برآمد کر کے محمد علی بوگرا کو وزارتِ عظمیٰ کی اور پنجاب میں سر فیروز خان ''نون'' کو وزارتِ علیا کی گدی پر بٹھا دیا گیا تھا۔ تحریکِ ختمِ نبوت کی مقبولیت اور ہمہ گیری سے متاثر ہو کر سیّد حسین شہید سہروردی نے تحریک کے مرکزی قائدین سے لاہور سینٹرل میں ملاقاتیں کر کے انھیں اپنا ہم نوا اور میدانِ سیاست میں رفقائے کار بنانے کی کوشش کی تھی اور تحریک کے مطالبات کے حق میں بھی اُنھوں نے چند اخباری بیانات کے علاوہ ("A note on Qadianism) قادیانیت پر ایک نوٹ کے عنوان سے ایک شاندار مضمون بھی لکھا تھا جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے شخصی اور خاندانی حالات کے علاوہ مرزا قادیانی کے عقاید، نظریات مختصراً پیش کر کے اسے جھوٹا، فریب کار اور مسلم بیزار شخص قرار دیا تھا۔ سیّد حسین شہید سہروردی نے قادیانیت کا سیاسی تجزیہ کرتے ہوئے تحریکِ ختمِ نبوت کے اس مطالبے پر خوب روشنی ڈالی تھی جس کی رُو سے سر ظفر اللہ خان قادیانی کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے الگ کر کے کسی مسلمان کو وزارت خارجہ پر متمکن کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ سہروردی صاحب نے لکھا تھا کہ قادیانی لیڈر مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے مختلف خطبات اور بیانات میں جو ان کے اخبار الفضل ربوہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں وہ پاکستان کو ایک قادیانی سٹیٹ بنانے، فوج پر قبضے کے بعد پاکستان کے بڑے

## تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

بڑے علمائے کرام سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا مودودی (رحمۃ اللہ علیہم) سے خون کا بدلہ لینے کی دھمکیاں دی ہیں۔ حتیٰ کہ صوبہ بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے اور ملک میں سیاسی برتری حاصل کرنے کے پروگرام اور عزائم کا بھی اظہار کیا ہے۔ ایسے خطرناک حالات میں سیاسی زاویۂ نگاہ سے بھی کسی قادیانی عقاید کے شخص کا ایک مسلم مملکت کا وزیر خارجہ بنانا انتہائی نقصان دہ اور مسلم مفاد میں ہرگز نہیں ہے، جبکہ قادیانیوں کا مقدس مقام بھارت میں واقع ہے اور قادیانی وزیر خارجہ کبھی بھی بھارت سے غداری نہ کرے گا اور نہ ہی مسلم مفاد ملحوظ رکھے گا۔

## قادیانیت پر سہروردی کا نوٹ

حسین شہید سہروردی نے اپنے اس نوٹ میں لکھا ہے کہ:

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور مسلمان کے علاوہ کوئی بھی غیر مسلم اس کا سربراہ نہیں بن سکتا۔ یہ معاملہ مذہبی، سیاسی اور آئینی اہمیت کا حامل ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سہروردی صاحب نے اس بات کا تذکرہ خصوصاً اس خدشہ کے پیشِ نظر کیا تھا کہ آج جو شخص قادیانی (غیر مسلم) ہونے کے باوجود ایک مسلم مملکت کی وزارت خارجہ کے عہدۂ جلیلہ پر متمکن ہے، کل وہ غیر ملکی حکمرانوں (برطانیہ، امریکا وغیرہ) کے اثر انداز ہونے پر سربراہ مملکت بھی بن سکتا ہے۔

سیّد حسین شہید سہروردی نے تحریکِ ختمِ نبوت کے تمام مطالبات کی تائید وحمایت کرتے ہوئے سر ظفر اللہ خان کو وزارتِ خارجہ کے عہدہ سے الگ کر دینے کے مطالبے کی تائید میں یہ بھی لکھا کہ یہ انتہائی غیر آئینی اور غیر اخلاقی امر ہے کہ ایک مسلم مملکت کی خارجہ پالیسی کی ایک ایسا شخص ترجمانی کا فریضہ انجام دے جو حکومت برطانیہ کا خصوصی وفادار ہے، جس کا متبرک مقام ''قادیان'' بھارت میں ہے، جو افغانستان اس لیے نہیں جاتا اور اس مسلم ملک کے ساتھ اس لیے صلح نہیں کرتا کہ وہاں ارتداد پھیلانے کے جرم میں دو قادیانی مبلغوں کو سزائے موت دی گئی تھی۔ سر ظفر اللہ اسلامی ملکوں کے ساتھ تعاون بڑھانے اور اُخوتِ اسلامی کے تعلقات استوار کرنے کے سلسلے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اس سنگین صورت حال کے پیشِ نظر بہتر یہ ہے کہ ظفر اللہ خان سمیت تمام قادیانی نظریے کے افسروں کو ملک کے کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا

جائے۔تاکہ ملک میں امن وسکون کی فضا قائم ہو سکے اور موجودہ حکمرانوں نے غیر ملکیوں کے مفادات کے تحفظ کی خاطر تحریکِ ختمِ نبوت کو کچلنے اس کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے ان پر تشدد کرنے کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔اسے تبدیل کر دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ تحریک عقائد ونظریات اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے تعلق رکھتی ہے اسے جبراً ختم نہیں کیا جاسکتا، حالات سازگار ہو جانے پر یہ تحریک پھر اُبھر سکتی ہے اور ایک مسلم مملکت میں ان مطالبات کو تسلیم کر لینے کے سوا قطعاً کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، علامہ اقبال کے نظریات اس سلسلے میں صحیح رہنمائی کرتے ہیں ان سے استفادے کی ضرورت ہے۔

## قائدینِ تحریک سے سہروردی کی ملاقات

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران لاہور سینٹرل (جیل) میں حزب اختلاف کے مؤثر اور مقبول رہنما حسین شہید سہروردی نے قائدین تحریک سے ملاقات کر کے انھیں سیاسی طور پر رفقائے سفر بنانے کی کوشش کے جواب میں امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور صدر مجلسِ عمل ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ''رفقائے زنداں'' سے مشاورت کے بعد سہروردی صاحب سے تحریک کے مطالبات کی تائید میں اپنی مہم جاری رکھنے پر زور دیا اور ان کی سیاسی رفاقت اختیار کرنے کے سلسلے میں حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ تھا کہ میں نے چونکہ اپنی سرگرمیاں اور زندگی عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ تک محدود اور مرکوز کر رکھی ہیں اور سیاسی سرگرمیوں اور معاملات سے علیحدگی کا اعلان کر رکھا ہے۔اس لیے مجھ سمیت میرے رفقاء کار تو کسی سیاسی محاذ آرائی کا حصہ نہیں بن سکتے۔البتہ جو حضرات کسی سیاسی جماعت میں شامل اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ان سے آپ (سہروردی) رابطہ قائم کر کے ان کی رائے معلوم کر سکتے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں مجلسِ احرار کے دو رہنماؤں (ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہم) نے سہروردی صاحب کو اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا، راقم الحروف چونکہ حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ قیادت مجلس احرارِ اسلام میں شامل تھا اور تحفظِ ختمِ نبوت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے تھا۔اس لیے سہروردی صاحب سے ملاقاتوں کا حوالہ صرف دیوانی احاطے تک محدود رکھا ہے۔جیل کے دوسرے وارڈوں اور احاطوں میں قید تحریک

کے رہنماؤں سے سہروردی صاحب نے اگر ملاقاتیں کی تھیں تو ان کی بابت مفصل معلومات وہی حضرات فراہم کر سکتے ہیں۔

تحریکِ ختمِ نبوت کے بعد پاکستان کے سیاسی حالات انقلاب وتغیر کے لہروں کی زد میں آ گئے۔ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ عوامی لیگ کے سربراہ حسین شہید سہروردی پاکستان کے وزیر قانون بن گئے اور بعد میں ایسا بھی لمحہ آ گیا کہ پاکستان کے وزیر اعظم کا منصب واقتدار ان کے حصہ میں آ گیا، مسٹر سہروردی جن دنوں پاکستان کی وزارتِ قانون پر فائز تھے ان دنوں ایک جاں نثار اور شمعِ رسالت کے پروانے لاہور کے باشندے محمد نذیر نے ایک مرزائی اسکول ماسٹر کو اس وقت قتل کر دیا تھا جب اس نے مرزا قادیانی کو (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دینے کی گستاخانہ حرکت کی تھی۔

محمد نذیر کو گرفتار کر کے مارشل لا کے تحت سزائے موت سنائی گئی تھی۔ اس پر پورے ملک میں زبردست احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ جاری تھا، گورنر جنرل اور حسین شہید سہروردی کے نام خطوط تاروں، اور ٹیلیفونوں کا سلسلہ جاری تھا، ان سے اسلام، ناموسِ رسالتؐ اور انسانیت کے نام سے اپیل کی گئی تھی کہ محمد نذیر کو پھانسی کے سزا کے بجائے عمر قید کی سزا دے دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مختلف وفود نے جب حالات کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے رہنمائی اور نصرت طلب کی تو آپ نے اپنی شدید علالت کے باوجود پاکستان کے وزیر قانون حسین شہید سہروردی کے نام ایک درد بھرا خط لکھا جس میں محمد نذیر کی سزائے موت کے حکم کی تنسیخ کے لیے مداخلت کی اپیل کی گئی تھی۔ اللہ کا شکر کہ اسلامیانِ پاکستان کی دعائیں اور کوششیں مقبول بارگاہِ الٰہی ہو گئیں اور گورنر جنرل نے محمد نذیر کی سزائے موت کا حکم عمر قید میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس پر امیرِ شریعت بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے گورنر جنرل اور وزیر قانون حسین شہید سہروردی کے نام ایک تار کے ذریعہ مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کیا تھا:

محمد نذیر اسیر مارشل لا کی سزائے موت منسوخ کر کے آپ نے قوم پر احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس نیک عمل کو سال نو کے لیے نیک فال بنائے۔

اس تار کی نقول اے پی پی کے ذریعے تمام اخبارات کو بھی ارسال کی گئی تھیں۔حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حسین شہید سہروردی کے نام جو خط ارسال کیا تھا اس کی نقل راقم الحروف نے ہفت روزہ کلیم ملتان ۷ تا ۱۴ جنوری ۱۹۵۵ء میں شائع کردی تھی جبکہ چند روز یہ پرچہ مجلسِ تحفظِ ختم نبوت کا ترجمان رہا اور راقم کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔اس کے ناشر برادر مکرم ومحترم جناب عبدالستار حامد رحمۃ اللہ علیہ تھے۔وہ پاکستان ٹائمز،روزنامہ امروز اور روزنامہ آزاد لاہور کے ایجنسی ہولڈر اور عقیدۂ ختم نبوت کے زبردست حامیوں میں سے ایک سلجھی ہوئی اور ممتاز علمی وادبی شخصیت تھے۔

## امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوبِ گرامی

''برادرِ عالی مرتبت: جناب سہروردی صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگرچہ میرا آپ پر کوئی حق نہیں ہے مگر فی سبیل اللہ ایک عرض کرتا ہوں کہ محمد نذیر لاہوری (سزا یافتہ مارشل لاء کورٹ) کی پھانسی کی سزا کو جس طرح بھی ہوسکے سزائے قید میں تبدیل کروادیں۔ میں اور کسی کو اس قسم کا عریضہ لکھنے کی ہمت نہیں رکھتا۔آپ نے سینٹرل جیل لاہور میں چونکہ تین چار دفعہ شرف ملاقات بخشا اس لیے ؎

کرمہائے تو مارا کرد گستاخ

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت آپ کا یہ عمل ملک وملت کے لیے آئندہ سال کے لیے فالِ نیک اور برکتوں اور سعادتوں کا سبب بنے گا۔

افسوس کہ میں ڈیڑھ مہینے سے پلنگ پر پڑا ہوا ہوں ورنہ میں خود حاضر خدمت ہوکر زبانی عرض معروض کرتا۔آپ مجھ سے ہزاروں درجہ زیادہ دانا وبینا ہیں،معاملات کی نزاکتوں کو آپ بخوبی سمجھتے ہیں عمر قید کی سزا بھی آخر سزا ہی ہے اور کچھ کم سزا نہیں ہے۔

اگر اتنا ہوجائے تو مسلمانانِ پاکستان کے پرانے زخم بھی مندمل ہوجانے کی امید ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس معاملہ میں اور تمام معاملات میں کامیابی عطا کرے۔

میں اپنے ہاتھ سے لکھنے سے معذور ہوں،ابھی ہاتھ اچھی طرح کام نہیں کرتا،اس لیے اپنے لڑکے سے لکھوا رہا ہوں۔والسلام مع الاکرام

تحریک تحفظِ ختم نبوت 1953ء

فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاری

مورخہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۴ء

ملتان شہر"

## مسلمان کی تعریف کیا ہے؟

گزشتہ اشاعتوں میں اس کا تذکرہ کیا جاچکا ہے کہ تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران دو شخصیات (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور حسین شہید سہروردی) کی قائدین تحریک سے ملاقاتوں کے حوالے سے بعض اُمور ایسے ہیں جن کی وضاحت کیے بغیر اس تحریک کی بابت معلومات ادھوری اور نامکمل رہ جائیں گی۔ علاوہ ازیں حکومت کی جانب سے بھی زور وشور کے ساتھ یہ پروپیگنڈا کیا جاتا رہا ہے کہ تحریکِ ختمِ نبوت کے رہنماؤں نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ تو بڑی شدت اور زور وشور کے ساتھ پیش کیا ہے جبکہ ان کا اپنا حال یہ ہے کہ منیر انکوائری کمیٹی کے روبرو جب ان علماء ومشائخ سے مسلمان کی تعریف کرنے کو کہا گیا تو ان میں سے کوئی بھی مسلمان کی تعریف ووضاحت پر متفق نہیں ہو سکا تھا۔ اس پروپیگنڈے کو ہوا دینے کے لیے قادیانیوں اور بے دین عناصر کی خدمات حاصل کی گئی تھیں جن میں قادیانی باپ کے فرزند عبدالمجید سالک بٹالوی (سابق مدیر روزنامہ "انقلاب") بھی شامل تھے۔ بہرنوع اس سلسلے میں حکومت پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات ونشریات الطاف گوہر کے مضمون کا حوالہ بے حد ضروری ہے جو انھوں نے اپنی سرگزشت کی پہلی قسط میں مورخہ ۲۹ر اگست ۱۹۹۹ء کو روزنامہ نوائے وقت لاہور میں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران قادیانی مسئلے کو زیرِ بحث لاتے ہوئے تحریر کیا تھا، وہ لکھتے ہیں:

۱۹۵۳ء میں جب پنجاب میں احمدیوں کے خلاف تحریک چلی اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ احمدی فرقے کو غیر مسلم قرار دیا جائے تو حکومت نے اس معاملے کو طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی، جسٹس منیر کمیٹی کے چیئرمین مقرر ہوئے اور ان کے ساتھ جسٹس کیانی کو میشن کا رکن بنا گیا تھا۔ منیر کمیٹی کی رپورٹ ہماری عدلیہ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ ملک کے کئی ایسے علماء کو بطور گواہ طلب کیا گیا تھا جن کی رائے اسلامی معاملات میں حرفِ آخر سمجھی جاتی تھی۔ کمیٹی نے علما

سے سوال کیا کہ ان کے نزدیک مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ ہر عالم نے مسلمان کی جو تعریف پیش کی۔ وہ دوسرے علما کی تعریف سے مختلف تھی۔ جسٹس منیر اور کیانی نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اس صورتِ حال میں اگر ہم اپنی طرف سے مسلمان کی تعریف پیش کریں تو علما ہمیں کافر قرار دے دیں گے۔ لہٰذا ہم یہ معاملہ خدا پر چھوڑتے ہیں۔'' [نوائے وقت]

الطاف گوہر صاحب کے اس مضمون میں اُٹھائے گئے اعتراضات کا جواب تو راقم الحروف نے ان کی زندگی میں انھی دنوں تحریر کر دیا تھا جو ہفت روزہ صوت الاسلام میں شریک اشاعت ہو گیا تھا، لیکن مفصل جواب کے لیے مجلسِ ختمِ نبوت کے امیر شیخ خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس وقت عرض کیا گیا تھا۔ جبکہ آپ مانسہرہ میں مولانا قاری فضل ربی کے ہاں مدعو تھے کہ منیر انکوائری کمیٹی کے اعتراضات کا جماعتِ اسلامی اور قادیانیوں نے اپنے اپنے موقف کی وضاحت میں ضخیم کتب شائع کر دی ہیں لیکن مجلسِ ختمِ نبوت کو بار بار توجہ دلانے کے باوجود کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ ایک کمیٹی قائم کر کے ٹھوس معلومات پر مشتمل کتاب شائع کرنی چاہیے۔ راقم الحروف کی یہ تجویز پذیرائی سے محروم رہی۔ بعد ازاں الطاف گوہر اور دوسرے حضرات نے منیر انکوائری کمیٹی کی تحقیقاتی رپورٹ کو موضوعِ سخن بنایا اور علمائے کرام کے خلاف منافرت کی مہم تیز تر کی جاتی رہی ہے۔ حتیٰ کہ آج بھی غیر ملکی طاقتوں کی ہمنوائی میں علمائے کرام اور دینی طبقے کے خلاف نفرت انگیز مہم اور حقارت آمیز تذکرہ اس مذموم سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مسلم اور غیر مسلم اقوام کا تذکرہ اگرچہ قیامِ پاکستان سے بہت پہلے برصغیر کے مسلمانوں کا موضوعِ سخن بن چکا تھا لیکن تحریکِ قیامِ پاکستان کے دوران اس مسئلے کی شدت کا بھی یہ ثمرہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں نے غیر مسلموں سے الگ پاکستان کے نام سے اپنا ملک قائم کر لیا تھا، قیامِ پاکستان کے بعد جب اس مملکت کی دستور سازی کا مرحلہ آیا تو پہلے وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین کے دور میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ جس کا نام تھا ''بنیادی اُصولوں کی کمیٹی'' اس نے اپنی رپورٹ میں یہ دستوری سفارش کی تھی کہ پاکستان کا صدرِ مملکت ''مسلمان'' ہوگا۔ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ ان دنوں برسرِ اقتدار جماعت مسلم لیگ قادیانیوں کو مسلمان سمجھتی

تھی اس لیے اس نے سر ظفر اللہ خان قادیانی کو وزارتِ خارجہ کے اہم عہدہ پر متمکن کیا تھا۔ پاکستان کی تمام دینی وملی جماعتوں نے حکومت سے مسلمان کی وضاحت چاہی تھی کہ مسلمان صدر مملکت کی تعریف کیا ہے؟

اس وضاحت طلبی کا مقصد یہ تھا کہ خدانخواستہ کل ایسا نہ ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی تسلیم کرنے والے قادیانی بھی چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت کیے بغیر تو وہ بھی سربراہ مملکت بن سکتے ہیں۔ اس خطرے کے پیشِ نظر علما ومشائخ سے متفقہ طور پر حکومت سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر اقلیتوں کی فہرست میں اس کا اندراج کرانے اور سر ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کر کے کسی مسلمان کو وزارتِ خارجہ کے عہدہ پر فائز کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ حکومت نے ایک معقول مطالبہ تسلیم کر لینے کی بجائے اس کا مطالبہ کرنے والے تمام مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ پنجاب میں زبردست کشیدگی کے باعث فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی، اس کے اسباب ومحرکات معلوم کرنے کے لیے حکومت نے روایتی انداز میں ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی تھی۔ جس کی رپورٹ (منیر انکوائری رپورٹ) وقتاً فوقتاً زیر بحث رہتی ہے۔ جہاں تک ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران منیر انکوائری کمیٹی کے قیام کا تعلق ہے اس کا مقصد صرف فسادات پنجاب کے اسباب ومحرکات معلوم کرنا تھا۔ یہ کمیٹی کسی دینی اور علمی موضوع پر گفتگو کی ہرگز مجاز نہ تھی۔ کون مسلم ہے اور کون غیر مسلم اس کے فیصلے کا اختیار منیر انکوائری کمیٹی کو قطعاً نہیں تھا۔ تحریک کے دوران جو مطالبات کیے گئے تھے ان کا بھی حکومتِ پنجاب سے نہیں بلکہ مرکزی حکومت سے تعلق تھا۔ کسی آئینی، قانونی اور انتظامی معاملے کا فیصلہ کرنے کی وہی مجاز تھی (یاد رہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ علامہ اقبال نے کیا تھا۔ علمائے کرام اور دینی جماعتوں نے اسی کی تائید کی تھی)

## مسلمان کی تعریف، علمی شخصیات کی نظر میں

منیر انکوائری کمیٹی نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے دورانِ تحقیقات ایسے مسائل چھیڑ دیے تھے۔ جن کی وجہ سے اُمت میں اختلاف وانتشار کو فروغ ملنے کے ساتھ ساتھ

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

اس دور کی نابغۂ روزگار دینی و علمی شخصیات اور عالمی شہرت کے علما و مشائخ کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات اُبھارنے کی سعیِ مذموم کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ بعدازاں مختلف قلم کاروں نے اپنے ذاتی یا سیاسی جذبہ انتقام کی تسکین کے لیے اسی کمیٹی کے دوراز کار چھیڑے گئے مسائل کو موضوعِ سخن بنا کر علما و مشائخ کی تحقیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اس دور کی جن عظیم دینی، علمی اور ملی شخصیات کے صاف و شفاف چہروں پر اپنی جہالت و کج فہمی کے چھینٹے پھینکنے کی مذموم اور بھونڈی حرکت کی تھی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: امیرِ شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی، مولانا سیّد نورالحسن شاہ بخاری، مولانا مرتضیٰ احمد خان، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، صاحبزادہ غلام محی الدین (بابو جی) گولڑہ شریف، مولانا پیر سیّد قمرالدین سیالوی، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن آلومہار شریف اور دیگر حضرات رحمۃ اللہ علیہم۔

یہ ان عظیم شخصیات کے اسمائے گرامی ہیں۔ جن سے منیر کمیٹی نے مختلف اوقات میں زیرِ بحث مسئلے کی بابت سوالات کر کے مسلمان کی تعریف دریافت کی تھی۔ جہاں تک پاکستان میں اس دور کی دیگر عظیم دینی و ملی شخصیات کی موجودگی کا تعلق ہے تو مفتیِ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا سیاح الدین کاکاخیل، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، علامہ علاء الدین صدیقی، مولانا علم الدین سالک رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر عظیم دینی و علمی شخصیات موجود تھیں۔ کیا ان جلیل القدر علما و مشائخ عظام کو اتنی بھی ''شد بد'' نہیں تھی کہ وہ مسلمان کی تعریف اور وضاحت کر سکیں کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ اور قرآن و احادیث میں مسلمان کی کیا تعریف کی گئی ہے؟ جب اسلام کے نام پر اور دو قومی نظریے پر قائم کیے گئے ملکِ پاکستان کے ایسے نامور اور بین الاقوامی شہرت کے علما و مشائخ کو اتنا بھی علم نہیں تھا تو یہ ملک کس بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا۔ پھر یہ دو قومی نظریہ کیا تھا؟ اگر مسلم اور غیر مسلم دو قوموں کی جداگانہ

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

حیثیت اور جداگانہ تہذیب و معاشرت کی اساس پر حاصل کیا گیا تھا تو جن لوگوں اور شخصیات نے مسلم اور غیر مسلم کی بحث چھیڑی اور غیر مسلم قوم ہندو سے مسلم قوم کی علیحدگی کا تصور اور نظریہ پیش کیا تھا وہ کیا تھا؟ کیا مسلم لیگی علماءِ کرام میں سے بھی کوئی ایک عالم دین مسلمان کی تعریف اور وضاحت کرنے والا نہ تھا؟

مندرجہ بالا جن عظیم دینی و علمی شخصیات کے اسمائے گرامی درج کیے گئے ہیں۔ ان میں غالب وہ شخصیات ہیں جو تحریکِ قیامِ پاکستان کے مرحلے میں بانیِ پاکستان محمد علی جناح کے ہم قدم و ہم نوا تھیں اور تحریکِ قیامِ پاکستان میں ان کی خدمات اور تعاون کا بانیِ پاکستان نے اعتراف بھی کیا تھا جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کا جھنڈا لہرانے کی سعادت مغربی پاکستان میں اُستاذِ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مشرقی پاکستان میں اُستاذ محترم مولانا ظفر احمد عثمانی کے حصے میں آئی تھی۔ جبکہ اس وقت بانیٔ پاکستان بھی تقریب میں موجود تھے۔ کیا ان تمام علما و مشائخ میں سے کوئی ایک بھی یہ واضح نہیں کر سکا تھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اور غیر مسلم کون ہوتا ہے؟ دراصل یہ بحث علما و مشائخ کو بدنام کرنے اور قادیانیوں کو تحفظ فراہم کرنے کی خاطر چھیڑی گئی تھی۔ تاکہ اپنے حکومتی ذرائع ابلاغ کے زور سے علما و مشائخ کے روز افزوں اثرات ختم کر کے لوگوں کو باور کرایا جائے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کو کافر قرار دینے کا جو لوگ مطالبہ کر رہے ہیں۔ انھیں تو یہ خود پتا نہیں کہ مسلمان کون ہوتا ہے اور کافر کون؟ اور نہ سہی تو قادیانیوں سے ہی دریافت کر لیا جاتا کہ مسلم کون اور کافر کون ہے؟

اس پروپیگنڈے کے پس منظر میں اس دور کے حکمرانوں اور قادیانیوں کے دوش بدوش اسلام دشمن قوتوں کے حربے اور مادی منفعت کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ ورنہ قرآن و حدیث اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کے مطابق مسلمان کی متفقہ تعریف کے لیے کلمۂ شہادت ہی کافی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے آخری نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کی ختمِ نبوت و رسالت، قرآن کریم، فرشتوں، تمام انبیا و سابقین اور بعث بعد الموت، روزِ قیامت پر ایمان لانے کا عقیدہ رکھنے والا کے الفاظ کی بجائے اللہ کے ایک ہونے اور

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

حضرت محمد ﷺ کی ختمِ نبوت و رسالت، جملہ کتبِ سماوی، ملائکہ اور حشر و نشر وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے مسلم کی تعریف بیان کر دی جائے تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس عالمِ دین نے مسلمان کی صحیح طور پر وضاحت نہیں کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ اسلام کے پانچوں ارکان پر عقیدہ رکھنے اور ان پر عمل پیرا ہونا مسلمان ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کسی قانون دان سے قانون کی تعریف معلوم کی جائے تو مختلف قانون دانوں اور ماہرین کے مختلف الفاظ سے ہرگز یہ تاثر نہیں لیا جا سکتا کہ وکلا حضرات قانون کی تعریف کرنے سے قاصر ہیں۔ جیسا کہ مختلف قانون دانوں نے قانون کی تعریف میں مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں۔

## شاعرِ مشرق کے ہاں مسلمان کا مفہوم:

دو قومی نظریے (ہندو اور مسلم) کے فرق و امتیاز پر علامہ اقبال اور بانیِ پاکستان کی بہت سی تقاریر اور وضاحتیں مختلف کتب و رسائل میں موجود ہیں۔ یہاں پر بطورِ استدلال حرفِ اقبال سے علامہ اقبال کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:

اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں یعنی وحدت الوہیت پر ایمان، انبیاے کرام پر ایمان اور رسولِ کریم ﷺ کی ختمِ رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہِ امتیاز ہے اور اس اَمر کے لیے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔ مثلاً: برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انھیں ملتِ اسلامی میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قادیانیوں کی طرح انبیا کے ذریعے وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کی ختمِ نبوت کو نہیں مانتے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس اسلامی حدِ فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ (حرفِ اقبال، ص۵۶)

کمیٹی میں جلیل القدر علمائے کرام نے بھی مسلمانوں کی وہی تعریف اور وضاحت پیش کی تھی، لیکن منیر کمیٹی نے نامعلوم وہ کیوں قبول نہیں کی۔ وہ حکومتی دباؤ کا شکار تھی یا قادیانیوں کے عطا کردہ بھاری مادی مفادات اور نوازشات کے باعث وہ علمائے کرام کی تذلیل و توہین پر کمربستہ تھی۔ اگر بقول منیر انکوائری کمیٹی یہ عظیم دینی و علمی شخصیات مسلم کی وضاحت اور توجیہہ سے قاصر

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

تھیں تو جسٹس منیر اور کیانی صاحبان کا فرض تھا کہ وہ مسلمان کی صحیح تعریف پیش کر کے بتا دیتے کہ مسلمان اس عقیدے کے مالک کو کہتے ہیں۔

''گوہر گزشت'' میں بتایا گیا ہے کہ اگر انھوں نے (منیر انکوائری کمیٹی) نے مسلمان کی تعریف پیش کر دی تو علما انھیں کافر قرار دے دیں گے۔

یہ اظہارِ خوف اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ منیر اور کیانی صاحبان مسلمان کی تعریف اور وضاحت ایسی کرنا چاہتے تھے جن کی رُو سے مرزائی (لاہوری اور قادیانی) مسلمان قرار پا جائیں۔ اس طرح وہ تحریکِ ختمِ نبوت کے اثرات کو انتظامی طاقت کے ساتھ ساتھ اپنی من مانی توجیہہ سے قانونی طور پر بھی زائل کرنے کی مذموم کوشش کرنا چاہتے تھے مگر ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بقول گوہر ایوب صاحب اگر جسٹس منیر اور جسٹس کیانی نے مسلمان کی تعریف اور وضاحت کا مسئلہ علما کی جانب سے کفر کے فتوے کے خوف سے اللہ پر چھوڑ دیا تھا تو علما کے خلاف توہین آمیز پروپیگنڈا مہم پھر کیوں چلائی گئی، اسے بھی اللہ پر چھوڑ دیتے اور روزِ قیامت خود ہی اس کا فیصلہ ہو جاتا کہ مسلمان کون ہوتا ہے اور کافر کون؟ اس طرح منیر انکوائری کمیشن کو کئی صد صفحات پر مشتمل رپورٹ مرتب کرنے اور طباعت و اشاعت کے بھاری اخراجات برداشت کر کے مفت تقسیم کرنے کی زحمت سے بھی چھٹکارا مل سکتا تھا۔

ہمارا نیا تعلیم یافتہ طبقہ چونکہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مروجہ غلط نصابِ تعلیم کی وجہ سے اسلام کے اساسی عقائد و نظریات سے ناواقف اور بے خبر ہے۔ کیونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں حکومتی سطح پر صحیح اسلامی نظریات کی تعلیم اور نشر و اشاعت کا با قاعدہ کوئی انتظام موجود ہے اور نہ ہی حکومتی ذرائع میں سے اس مد میں اخراجات صرف کیے جاتے ہیں۔

اس لیے ہماری قوم بنیادی ضروری معلومات سے نا آشنا ہے اور آسانی کے ساتھ قادیانیوں اور ان کے ہمنوا گماشتوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہو جاتی ہے۔ اندریں صورتِ حال قادیانیوں کی جانب سے جب یہ پروپیگنڈا مہم چلائی جاتی ہے کہ وہ تو مسلمانوں والا

ہی کلمہ پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں ہی کی طرح نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی عبادت گاہوں (مسجدوں) جیسی ہی عبادت گاہیں تعمیر کرتے ہیں اور انھی کا قبلہ ہمارا بھی قبلہ ہے اور ہم بھی ختمِ نبوت کو مانتے ہیں تو ہمیں غیر مسلم کیوں قرار دیا گیا ہے اور کیوں ہر جگہ رسوا کیا جارہا ہے؟

**مسجدِ قبا:**

قادیانیوں کے اس غلط نظریے اور عقیدے کی بات لمبی علمی بحث و تکرار کی بجائے قرآنِ حکیم ہی کے الفاظ میں اس واقعے کی تفصیل اور آیتِ کریمہ نمبر ۱۰۷ سورۂ توبہ کا شانِ نزول ملاحظہ فرمائیے۔

حضورِ محسنِ انسانیت خاتم النبین ﷺ جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو شہر سے باہر چند کلومیٹر کے فاصلے پر 'قبا' کی بستی میں آپؐ نے قیام فرمایا اور ایک مسجد کی تعمیر کی تھی جو مسجدِ قبا کے نام سے آج بھی عظیم الشان تعمیر کی صورت میں موجود ہے۔ یہاں پر چند روز قیام کے بعد آپؐ مدینہ منورہ شہر میں تشریف لے گئے تو آپ کا عظیم الشان طریقے سے استقبال ہوا۔ ننھی بچیوں نے دف بجاتے ہوئے **طلع البدر علینا من ثنیات الوداع** کے گیت کے ساتھ آپ ﷺ کا زبردست خیر مقدم کیا تھا۔ سرزمینِ مکہ سے جن نفوسِ قدسیہ کو لرزہ خیز تکالیف دے کر ہجرت پر مجبور کیا گیا تھا، ان کا شہر مدینہ میں والہانہ استقبال دیکھ کر دشمنانِ اسلام کی ہوائیاں اُڑ گئیں کہ یہ کیا ہوگیا؟ سارا شہرِ مدینہ تو حضور ﷺ کا گرویدہ اور دیدہ و دِل فرشِ راہ ہے...... اور آج نہیں تو کل ضرور اس علاقے کی حکمرانی حضور ﷺ ہی کے ہاتھوں میں ہوگی چنانچہ مدینہ کے ایک باشندے ابو عامر نے جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہوگیا تھا اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا اس نے یہودی اور عیسائی باشندوں سے ساز باز کر کے چند افراد کو بظاہر اسلام قبول کر لینے پر آمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں ہی کے بھیس میں ان کے ساتھ گھل مل کر ان کی حرکات و سکنات سے باخبر رہیں اور ہمیں بھی مطلع کرتے رہیں۔ پھر ایک دن حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس نے چند اعتراضات کیے تو حضور ﷺ نے ان کا مسکت جواب دیا تھا۔ جب اس بدنصیب کا کوئی بس نہ چل سکا تو کہنے لگا کہ بہر صورت اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو میں اس کا ساتھ دینے کو ترجیح دوں گا۔ رازداری اور خفیہ اور اندر ہی اندر

سے مسلمانوں کے خلاف سازش کے طور پر ایک جال پھیلانے کی کوشش کی۔ جس کے تحت اس نے ایک جانب تو شاہِ رُوم کو مدینہ منورہ پر حملہ کر دینے کی ترغیب دی کہ وہ حملے کے ذریعے مسلمانوں کو مدینہ سے بھی زبردستی باہر کرنے کا اقدام کرے۔ دوسری جانب سے اس نے اپنے ان ساتھیوں کو جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے محلے میں ایک نئی مسجد تعمیر کر کے اہلِ محلّہ کو اس میں اکٹھا کرنے کی کوشش کریں۔ اسی مسجد کو اسلحہ خانہ بنا لیا جائے۔ اس طرح مسلمانوں کے خلاف جو بھی قدم اُٹھانا یا منصوبہ تیار کرنا ہو وہ اسی مسجد نما مکان کے اندر ہی پایۂ تکمیل کو پہنچنا چاہیے۔

یہود و نصاریٰ کی اس سازش میں مدینہ کے بارہ افراد شامل تھے جو مسلمانوں کے بھیس میں سرگرمِ عمل رہتے تھے۔ اُنھوں نے 'قبا' کی بستی میں موجود مسجدِ قبا کے قریب ہی کچھ فاصلے پر ایک اور مسجد تعمیر کر کے نمازیوں کے رُوپ میں آمد و رفت کا آغاز کر دیا اور لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ مسجدِ قبا چونکہ بستی سے کچھ فاصلے پر ہے اور بوڑھوں، بیماروں اور ضعیف العمر وغیرہ نمازیوں کا پانچوں وقت پہنچنا مشکل ہے۔ اس لیے ان کی سہولت ملحوظ رکھتے ہوئے یہ نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ پھر مسجدِ قبا اتنی وسیع بھی نہیں ہے کہ سارا محلہ اس میں آ کر نماز ادا کر سکے۔ ان منافقوں نے یہ منصوبہ بھی تیار کیا تھا کہ کسی طریقے سے حضور نبی کریم ﷺ کو بنفسِ نفیس اس نئی مسجد میں ایک نماز ادا کرنے پر آمادہ کر لیا جائے۔ تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ واقعی یہ مسلمانوں ہی کی مسجد ہے۔ چنانچہ حضور خاتم النبین ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر منافقین کے ایک وفد نے اس نئی مسجد میں نماز ادا کرنے کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے پیشِ نظر واپسی پر وعدہ فرما لیا لیکن اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو منافقوں کی سازش سے باخبر کرتے ہوئے قرآنِ کریم کی یہ آیتِ کریمہ نازل فرما دی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور جنھوں نے ایک مسجدِ ضرار کفر کی بنیاد پر اس لیے تعمیر کی کہ وہ مسلمانوں کو ضرر اور نقصان پہنچائیں اور ان میں خلفشار اور تفریق پیدا کریں اور اس کی گھات میں جو اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں سے پہلے ہی نبرد آزما ہے، وہ قسمیں کھا کر یقین دلائیں گے کہ ہم نے بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت یہ کام کیا ہے۔ اللہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ سب جھوٹے اور مکار ہیں۔'' (سورۂ توبہ: ۱۰۷)

قرآنِ کریم کی اس آیتِ کریمہ کے بعد سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۰ تک ان منافقوں کی سازشوں کا مکمل تذکرہ موجود ہے اس میں حضورﷺ کو منع کر دیا گیا کہ آپ ان کی تعمیر کردہ مسجد میں ہرگز نہ جائیں اور نہ ہی وہاں نماز ادا کریں اور صرف اسی مسجدِ قبا میں نماز ادا کریں جس کی اساس اور بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس میں ایسے لوگ موجود ہیں جو پاکباز ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

## قادیانیوں کے کلمے اور نمازوں کی حقیقت

جیسا کہ پیچھے قرآنی آیت کے حوالے سے گزرا کہ ان آیات کا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کا کلمہ پڑھ لینا، مسلمانوں جیسی نمازیں ادا کر لینا اور مسلمانوں جیسی مسجدیں تعمیر کر لینا ہرگز ہرگز یہ ثبوت فراہم نہیں کرتا کہ وہ مسلمان ہے۔ حضورﷺ کے زمانہ مبارک میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حضورﷺ کو دشمنانِ اسلام اور منافقین کے مذموم ارادوں اور سازشوں سے مطلع کر دیا جاتا تھا۔ اس لیے اسلام دشمنوں کی کوئی سازش بھی کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ اور نہ ہو سکی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق حضور خاتم الانبیاﷺ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عامر بن سکن اور حضرت وحشیر رضی اللہ عنہ شامل تھے انھیں آپؐ نے حکم دیا کہ ابھی جا کر مسجد گرا دو اور اس کے سامان کو نذرِ آتش کر کے خاکستر بنا دو۔ وہ حضرات اسی وقت گئے اور مسجد گرا کر زمین برابر کر دی۔ بعد ازاں جب حضورﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو مسجدِ ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی۔ آپﷺ نے عاصم بن عدی کو اجازت دے دی کہ وہاں اپنا گھر بنا لیں اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ! جس جگہ کی بابت قرآنِ کریم میں سخت ناراضگی والے احکام نازل ہوئے ہیں۔ میں ایسی منحوس جگہ پر اپنی رہائش گاہ تعمیر کرنا پسند نہیں کرتا۔ البتہ ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ چونکہ ضرورت مند ہیں، انھیں اجازت دے دیجیے کہ وہاں گھر تعمیر کر لیں، چنانچہ وہ جگہ ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ کو دے دی گئی وہ تعمیر مکان کے بعد وہاں مقیم ہو گئے مگر ہوا یہ کہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی، اگر ہوئی تو وہ زندہ نہ رہی۔ حتیٰ کہ یہ جگہ اس قدر مغضوب ثابت ہوئی کہ وہاں نہ کسی جانور نے گھونسلہ بنایا، نہ انڈے دیے اور اب تک یہ جگہ خالی پڑی ہے۔ اس تاریخی واقعے سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہییں جو قادیانیوں کے

کلمے اور ان کی نمازوں اور مسجد نما عبادت گاہوں کو مسلمانوں ہی کے کلمے، ان کی نمازوں اور مسجدوں کے مشابہ اور مماثل قرار دیتے ہیں، اگر مسلمانوں کا کلمہ پڑھنا، مسلمانوں جیسی نمازیں پڑھنا، قبلہ کی طرف منہ کرنا، قرآن پڑھنا ہی قادیانی دلیل ہے تو ''مسجدِ ضرار'' بنانے والے بھی تو بظاہر یہی کلمہ پڑھتے، صحابہ کرامؓ کے ساتھ نمازیں پڑھتے، قرآن کی تلاوت کرتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے تھے، خود حضور کریم ﷺ کی زیارت بھی کرتے تھے، آخر انھیں مسلمان کیوں نہ تسلیم کیا گیا تھا۔ انھیں اپنے منافقانہ خیالاتِ باطلہ سے توبہ کرنی چاہیے۔

قادیانیوں اور ان کے نادان ہم نواؤں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سُنے گئے ہیں کہ قادیانی بھی تو کلمہ گو اور عقیدۂ ختم نبوت پر یقین رکھنے کا اعلان کیا کرتے ہیں اور حضور ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ اس سلسلے کے بھی حوالے تو بہت ہیں۔ البتہ قادیانی اخبار الفضل کا ایک حوالہ ملاحظہ کیجیے:

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضور (ﷺ) خاتم النبیین ہیں مگر ختم نبوت کے وہ معنی نہیں جو احسان کا سوادِ اعظم سمجھتا ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کی شانِ ارفع و اعلیٰ کے سراسر خلاف ہے کہ آپ نے نبوت کی نعمتِ عظمیٰ سے اپنی اُمت کو محروم کر دیا بلکہ یہ ہیں کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں۔ اب وہی نبی ہوگا جس کی آپ تصدیق کریں گے۔ انہی معنوں میں ہم رسول اللہ ﷺ کو ''خاتم النبیین'' سمجھتے ہیں۔ [الفضل، قادیان، ۲۲؍دسمبر ۱۹۳۹]

خاتم مہر کو کہتے ہیں۔ جب نبی کریم (ﷺ) مہر ہوئے تو اگر ان کی اُمت میں کسی قسم کا نبی نہیں ہوگا تو وہ مہر کس طرح ہوئے یا وہ مہر کس پر لگے گی؟ [الفضل، قادیان، ۲۲؍مئی ۱۹۲۲ء]

مندرجہ بالا اقتباسات میں خاتم النبیین اور ختم میں مہر کا جو مفہوم مرزا غلام احمد قادیانی نے بیان کیا ہے۔ وہ سراسر غلط اور من گھڑت ہے۔ خاتم مہر لگانے والا اور ''ختم'' مہر کو کہتے ہیں۔ اگر خاتم النبیین کا مفہوم مرزا قادیانی والا صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ حضور ﷺ نے نبوت کی نعمتِ عظمیٰ سے اُمت کو محروم نہیں کیا بلکہ آپ جس کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے مہر لگا دیں تو وہی نبی اور نبوت کی نعمتِ عظمیٰ کا مستحق قرار پائے گا تو حضور خاتم النبیین ﷺ کی موجودگی میں اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے جب نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کی نبوت پر ختم یعنی مہر

لگا کر تصدیق کیوں نہ کی؟ باقاعدہ فوج کشی کا حکم دے کر انھیں جہنم رسید کرنے کے لیے قتل کا اعلان کیوں کیا تھا؟ جبکہ مسیلمہ کذاب تو آپ ﷺ کی ذات پر ایمان لانے اور کلمہ پڑھنے کا بھی یقین دلاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ مطالبہ کرتا تھا کہ آپ کی نبوت تو مکہ اور مدینہ کے علاقے کے لیے ہے اور میری نبوت یمامہ وغیرہ علاقے کے لیے ہے۔ میں تو صرف نبوت میں حصہ دار بننا چاہتا ہوں۔ اس طرح بڑی نبوت تو رسول اللہ ﷺ کی تسلیم کرتا تھا لیکن چھوٹی نبوت کا خود مدعی بن گیا تھا۔ حضور خاتم النبیین ﷺ نے اس کی کوئی پیش کش قبول نہ کرتے ہوئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک لشکر تیار کیا جس نے حضور ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی اور رفاقت میں جہاد کر کے انھیں جہنم رسید کیا تھا۔ بعد ازاں پوری اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں کسی بھی مدعیِ نبوت کو پوری دُنیائے اسلام میں کبھی وجود برداشت نہیں کیا گیا بلکہ ہر جھوٹے کو قتل کر کے جہنم رسید کیا جاتا رہا ہے۔ پھر مسیلمۂ پنجاب مرزا قادیانی نے فرنگی حکمرانوں کی خصوصی نگرانی اور معاونت سے کسی نئی نبوت کے دعوے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ گستاخی اور اہانت کی انتہا کرتے ہوئے اپنے کتابچے ایک غلطی کا ازالہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں بلکہ وہی ہوں جو مکے اور مدینے آیا تھا۔ اس طرح نبوت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی بلکہ محمد کی چیز محمد کے پاس رہی۔''

[ایک غلطی کا ازالہ از مرزا غلام احمد قادیانی]

## مرزا قادیانی کا مفہومِ ختمِ نبوت:

نیز مرزا قادیانی نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں لکھا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش زوج کے طور پر ہوئی تھی۔ یعنی ایک مرد اور ایک عورت کے ساتھ تھی اور اس طرح میری پیدائش ہوئی جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ جس کا نام جنت تھا اور پہلے وہ لڑکی پیٹ سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں ہوا اور میں ان کے لیے ''خاتم الاولاد'' تھا اور یہ میری پیدائش کی وہ طرز ہے۔ جس کو بعض اہلِ کشف نے ''مہدی خاتم

الولایت'' کی علامتوں میں لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ آخری مہدی جس کی وفات کے بعد اور کوئی مہدی نہیں ہوگا، خدا سے براہِ راست ہدایت پائے گا۔

[تریاق القلوب از مرزا قادیانی، ص ۳۰۰]

جہاں تک مرزا قادیانی کی اس تحریر کا تعلق ہے جس کی وضاحت اخبار الفضل قادیان نے شائع کی ہے کہ خاتم کا معنی اگر نبوت کے خاتمے کا لیا جائے تو یہ حضور کی شان اعلیٰ وارفع کے خلاف ہے کہ آپ نے نبوت کی نعمتِ عظمیٰ سے اُمت کو محروم کر دیا۔ مہر کا معنی یہ ہے کہ جس کی آپ تصدیق کریں گے اور مہر لگائیں گے۔ اگر بالفرض مرزا قادیانی کے یہ معنی صحیح اور درست تسلیم کر لیے جائیں، مرزا نے تو اپنے بارے میں ''خاتم الاولاد'' لکھا ہے۔ یعنی مرزا قادیانی مہر لگاتا تھا تو اولاد پیدا ہوتی تھی؟

یہ عجیب صورت ہے کہ ختم کا معنی ایک جگہ اور دوسری کچھ اور کیے جا رہے ہیں۔ بہر نوع اصل مسئلہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی ایک جھوٹا اور کذاب مدعیِ نبوت تھا۔ وہ انگریزی حکومت کا پروردہ اور خود کاشتہ تھا اور اسلام کی مقدس اصطلاحات کی مختلف طریقے سے مذاق اُڑاتا اور توہین کیا کرتا تھا۔ اس کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی اسے نبی ماننے والے اور مسلمانوں کا کلمہ پڑھنے والے قادیانی یا لاہوری مسلمان تسلیم کیے جا سکتے ہیں۔ مسلمان کی تعریف اور توضیح وہی صحیح ہے جو ساری دُنیا کے مسلمانوں کے ہاں مسلّمہ ہے کہ حضور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ کتاب اللہ یعنی قرآنِ کریم آخری آسمانی کتاب ہے اور اُمتِ مسلمہ حضور ﷺ کی آخری اُمت ہے۔ اب نبوت و رسالت اور نزولِ وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے اور تا قیامت کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا اور اس کی بابت حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی

''میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''

## نبوت کی تبدیلی کے ساتھ قومیت کی تبدیلی:

مسلم قومیت یا مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں انبیائے سابقین کی قومیت پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے والا حضرت آدم و حضرت

## تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

ابراہیم علیہم السلام اور اُن کی آل پر ایمان رکھنے کے باوجود یہودی قوم کا فرد ہوگا۔ بعد میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا دور آیا تو اب وہی یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی پر ایمان رکھنے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے یہودی نہیں بلکہ عیسائی کہلائے گا۔ جس طرح نبوت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کے ماننے والوں کی قومیت بھی تبدیل ہوتی رہی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ایمان لانے کے بعد حالانکہ ہم سب حضرت آدم و ابراہیم علیہم السلام سے لے کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر کامل ایمان رکھنے کے باوجود مسلمان کہلاتے ہیں۔ کوئی یہودی اور عیسائی نہیں کہلاتا علیٰ ہذا القیاس حضور ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہونے کے باوجود اگر کوئی جھوٹا اور کذاب نبوت کا دعویٰ کر کے اپنے ساتھ چند سادہ لوح یا مفاد پسند افراد ملا لے تو نئی نبوت پر (جھوٹی ہونے کے باوجود) ایمان لانے کے سبب وہ شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا، اس کی نسبت اس کذاب اور مدعیِ نبوت کی طرف ہو جائے گی۔ اس کی سب سے بڑی مثال ایران کے بابیوں اور بہائیوں کی ہے۔ محمد علی باب اور بہاء اللہ کے پیروکار بابی اور بہائی کہلاتے ہیں۔ ایران میں جب ان کا وجود خلافِ قانون قرار دیا گیا تو دوسرے ملکوں میں بھاگ جانے والے وہاں مسلمان نہیں بلکہ بابی اور بہائی کہلاتے ہیں۔ پاکستان کے بعض بڑے شہروں کراچی، لاہور، کوئٹہ وغیرہ میں ان کے بہائی سینٹرز موجود ہیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے سلسلے کا لٹریچر مختلف لوگوں کے نام ارسال کرتے ہیں۔

اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ کہ مسلمان اور قادیانی دو الگ الگ ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا ماننے والا خواہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سیّد المرسلین خاتم النبیین حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ایمان بھی لائے۔ زبور، تورات، انجیل اور قرآنِ مجید کو بھی سچی کتابیں تسلیم کرے۔ فرشتوں اور روزِ قیامت پر بھی ایمان لائے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی نبی تسلیم کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ نبی کی تبدیلی کی بنا پر قادیانی یا غلام احمدی مرزائی کہلائے گا۔

### احمدی کی اصطلاح

قادیانی اور ان کے ساتھ نرم گوشہ رواداری رکھنے والے چند سادہ لوح مسلمان بھی

## تحریک تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء

قادیانیوں کی وضع کردہ اصطلاح ''احمدی'' استعمال کرتے ہیں جبکہ یہ اصطلاح قادیانی اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ بعض عرب اور افریقی ممالک میں احمدی نام کے قبیلے موجود ہیں۔ علاوہ ازیں فرنگی سامراج کے خلاف جہاد کی زبردست تحریک کے بانی احمد سوڈانی کے پیروکار اور اس کے حامی بھی ''احمدی'' کہلاتے ہیں۔ نیز سعودی عرب میں بھی ''احمدی'' قبیلے کے افراد موجود ہیں۔ اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر پاکستان کے قادیانی مرزائی اپنے آپ کو ''احمدی'' کہلانا چاہتے ہیں تاکہ اُمتِ مسلمہ میں ان کے خلاف پائی جانے والی نفرت کم ہو سکے اور بیرونی ممالک میں ''احمدی'' نام سے قبیلہ سمجھا جاسکے کیونکہ وہاں عام احمدی کہلاتے ہیں اس لیے نفرت کے جذبات نہ اُبھر سکیں گے۔ بہرنوع مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مہدی تسلیم کرنے والے مسلمان ہرگز نہیں کہلا سکتے۔

صرف پاکستان ہی نہیں شاید مسلم تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی مسلم مملکت کے بانی اور سربراہ کی وفات کے بعد اس کے وزیرِ خارجہ نے اس کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا ہو۔ یہ واقعہ اس وقت رُونما ہوا جب بانیِ پاکستان محمد علی جناح کا انتقال ہوا تو جنازے کی صف بندی کے وقت پاکستان کے دو مرکزی وزیر الگ ہو کر غیر مسلم سفیروں کی قطار میں کھڑے ہوئے تھے ان میں ایک وزیرِ قانون جوگندر ناتھ منڈل تھا، دوسرا سر ظفر اللہ قادیانی۔ جوگندر ناتھ منڈل تو مسلّمہ طور پر غیر مسلم تھا اس کی علیحدگی تو سمجھ میں آتی ہے لیکن مسلم لیگی حکومت نے جس وزیرِ خارجہ کو مسلمان سمجھ رکھا تھا، اس نے بانیِ پاکستان کی نمازِ جنازہ کیوں نہ پڑھی تھی۔ اخبار نویسوں نے جب وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس کا جواب یہ تھا کہ مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھ لیجیے یا کافر حکومت کا مسلمان وزیرِ خارجہ۔ اس جواب پر بھی کسی مسلم لیگی حکمران یا جماعت کے رہنماؤں نے کوئی ردِ عمل ظاہر کیا اور نہ ہی اس جسارت کے خلاف کوئی حرفِ شکایت ہی زبان پر لانے کی زحمت اُٹھائی ہے۔ اُلٹا علماء و مشائخ کے خلاف آج تک گمراہ کن پروپیگنڈا مہم جاری ہے اور ہر ممکن طریقے سے علماء و مشائخ کو بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جارہے ہیں۔ انھی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علما حضرات مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہیں۔ کبھی ان کے مسلکی اختلافات کو ہوا دے کر ان کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے جبکہ حقائق یہ ہیں کہ اُمت

میں تفریق پیدا کرنے کے محرک یہی فرنگی کے گماشتے ہیں۔ جو اسلامی تعلیم وتہذیب کی ایک ایک نشانی مٹا کر فرنگی تہذیب ومعاشرت کو فروغ دینے اور اسے مقبول بنانے میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ یہ تو اللہ بہت ہی جزائے خیر دے خادم الحرمین الشریفین شاہ فیصل شہید اور ذوالفقار علی بھٹو کو کہ اُنھوں نے کمال حمیت وغیرتِ اسلامی اور تحفظ ناموسِ رسالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے برصغیر میں برطانیہ کے خود کاشتہ پودے قادیانی فتنے کا سدِ باب کرکے مرزائیوں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا تھا اور علامہ اقبال کے مطالبے کو پذیرائی عطا کرکے مرزا قادیانی کو نبی اور مہدی تسلیم کرنے کی بجائے اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ



❀❀❀

# تصویر کے دو رُخ

تصویر کا ایک رُخ تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے۔ اُس کے نقوش میں توازن نہ تھا، قد و قامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کریکٹر کی موت تھی، سچ کبھی نہ بولتا تھا، معاملات کا درست نہ تھا، بات کا پکا نہ تھا، بزدل اور ٹوڈی تھا، تقریر و تحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے...... لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر اُس میں کوئی کمزوری بھی نہ ہوتی، وہ مجسمۂ حسن و جمال ہوتا، قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی ۴۵ انچ کی، کمر ایسی کہ سی آئی ڈی کو بھی پتا نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مردِ میدان ہوتا، کریکٹر کا آفتاب اور خاندان کا ماہتاب ہوتا، شاعر ہوتا، فردوسیِ وقت ہوتا، ابوالفضل اُس کا پانی بھرتا، خیام اُس کی چاکری کرتا، غالب اُس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپیئر اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اُسے نبی مان لیتے؟...... میں تو کہتا ہوں کہ اگر علیؓ دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے دی اور بیٹی نبی نے دی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا فاروقِ اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انھیں نبی مان لیتا؟ نہیں اور ہرگز نہیں...... میاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تختِ نبوت پر سج سکے اور تاجِ امامت و رسالت جس کے سر پر ناز کرے۔

الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الرسل وخاتم الانبیاء

خطاب: بانیٔ احرار، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
(ستمبر ۱۹۵۱ء، کراچی)